منبر کی صدا

(جلد:4)

حافظ محمد ابراہیم عمری

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

جامعہ دارالسلام عمرآباد:635808

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ مسرت

مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب عمری زیدمجدہ جامعہ کے جواں سال استاذ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انھیں صلاحیت کے ساتھ صالحیت سے بھی نوازا ہے۔مسجد عمر آباد میں مستقل خطباتِ جمعہ کے لیے ذمہ داروں کی نظرِ انتخاب آپ پر پڑی اور آں عزیز کی سعادت مندی ہے کہ انھوں نے اس ذمہ داری کو بخوشی قبول کرلی۔کہ مسجدِ عمر آباد میں خطبہ دینا جوئے شیر لانے سے کم نہیں کیوں کہ یہاں اساتذۂ جامعہ اور اہل علم کی کثرت ہوتی ہے۔یہ آپ کی ہمت ہے کہ ایسے نازک مقام پر پچھلے دس سالوں سے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ خطبۂ جمعہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولانا بظاہر نحیف وکم زور معلوم ہوتے ہیں مگر اس کم زور جسم میں اللہ تعالیٰ نے دردمند دل اور صحت مند دماغ رکھا ہے۔آپ کے خطبات بڑے جامع اور مختصر ہوتے ہیں۔مضامین سیدھے سادے،سنجیدہ،عام فہم اور وقت وحالات کے مطابق ہوتے ہیں۔لب ولہجہ معتدل اور سلجھا ہوا ہوتا ہے۔حیرت کی بات یہ ہے کہ قرآنی آیات کے حوالوں کے ساتھ ساتھ احادیث کے متون اور ان کا باقاعدہ حوالہ بھی آپ دیا کرتے ہیں۔خطبات سنتے ہوے معلوم ہوتا ہے کہ آں عزیز کا دماغ ایک کمپیوٹر ہے،جو خطا کیے بغیر آپ کا ساتھ دیتا ہے۔معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ بعض مساجد میں ہر جمعہ آپ کے خطبات ہو بہو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں،اور ایسے خطباء کی بڑی تعداد ہے جو آپ کے خطبات سے علم وفکر کی روشنی حاصل کرتی ہے۔الغرض آپ کے خطبات عوام وخواص کے لیے مرجع کا کام دے رہے ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان سے نہ صرف استفادہ کیا جائے،بل کہ انھیں ان مقامات میں پڑھ کر سنایا جائے،جہاں جمعہ کے خطبات کسی کتاب سے پڑھ کر سنانے کا رواج ہے۔

جامعہ کے ادارۂ تحقیقات اسلامی سے آپ کے خطبات کی تین جلدیں اس سے پہلے شائع ہوکر

عوام وخواص میں مقبول ہوچکی ہیں۔اب یہ چوتھی جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہونے جارہی ہے۔اللہ کرے یہ جلد بھی مرجعِ خلائق بن جائے۔اس سے زیادہ سے زیادہ عوام وخواص کو فائدہ پہنچے اور مؤلف کو مزید خدمتِ دین وملت کا حوصلہ اور ہمت ملے۔

میرے لیے یہ مسرت افزابات ہے کہ مؤلف عزیز میرے شاگردوں میں سے ہیں اور میں ان کے خطبات کا سامع ہوں۔اس مجموعے کی اشاعت پر میں بڑی خوشی محسوس کررہاہوں۔میری نیک تمنائیں اور پُرخلوص دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں مزید خیروبرکت عطافرمائے ،زبان کی تاثیر اورتوانائی میں اضافہ فرمائے ،ان کی اس خدمت کو شرفِ قبولیت سے نوازے ،اورانھیں ایسا حوصلہ نصیب فرمائے کہ مسجدِ عمرآباد کے منبر سے ان کی وابستگی کی عمر دراز سے دراز ہو۔آمین یارب العالمین

خلوص کیش

حافظ سید عمیر احمد عمری مدنی

23/01/2018

عرض مؤلف

''منبر کی صدا'' کی چوتھی جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوے دل بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہے۔اس حصے کے پورے خطبے مسجدِ عمر آباد میں پیش کیے جا چکے ہیں،اوران میں کے اکثر ماہ نامہ راہ اعتدال میں شائع ہو چکے ہیں۔اس مجموعے کے لیے کل 20 رمضامین منتخب کیے گئے ہیں۔حسبِ سابق ان مضامین کا تعلق بھی مسلمان کی عملی زندگی سے ہے۔کتاب کی تیاری میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات قرآن وحدیث سے ہٹی ہوی نہ ہو۔نیز پیش کردہ واقعات مستند اور علمائے سلف کے اقوال بھی معتبر ہوں۔اس کے باوجود اگر کہیں کوئی کسر باقی رہ گئی ہے تو قارئین مطلع کر کے ممنون فرمائیں۔

اس موقعے پر اپنے محسن ومشفق معتمد جامعہ مولانا کاکا سعید احمد عمری حفظہ اللہ کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں،جن کی مسلسل ہمت افزائی اور رہ نمائی سے مجھ میں لکھنے اور بولنے کی کچھ ہمت پیدا ہوی۔اگر یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ زبان وقلم کی ہماری تمام تر کوششیں آپ کی ذرہ نوازیوں کی مرہون ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے اور اپنے خصوصی لطف وکرم سے نوازے۔آمین

رفیقِ محترم مولوی محمد رفیع کلوری عمری زید مجدہ کا بھی شکر گزار ہوں،جو میرے مضامین کے پہلے قاری ہوتے ہیں اور جن کے مفید مشورے ہمیشہ میرے ساتھ ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کی صلاحیتوں سے امت کو فائدہ پہنچائے۔

اب یہ مجموعہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور اس کتاب کو میرے حق میں،میرے والدین،اساتذہ اور ذمہ دارانِ جامعہ کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے۔آمین

حافظ محمد ابراہیم عمری

بسم اللہ، فوائد و برکات

''بسم اللہ'' یہ مختصر کلمہ ہے جو ہر مسلمان کو یاد ہے۔ اور وہ دن بھر میں سیکڑوں مرتبہ اس کلمہ کو دھراتا ہے۔ اس کلمے کے بے شمار فوائد وثمرات ہیں۔

اس کلمے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا آغاز اسی کلمے سے کیا ہے۔ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' قرآن مجید کی پہلی آیت ہے۔ بل کہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں جب جبرئیلؑ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آتے اور ''بسم اللہ'' کی تلاوت کرتے تو اللہ کے رسول ﷺ سمجھ جاتے کہ یہاں سے نئی سورت شروع ہو رہی ہے۔ (ابوداؤد: باب فی الحوض)

ایک صحابی کا بیان ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں تھے۔ آپ ﷺ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوی۔ تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو مسکرا رہے تھے۔ ہم نے مسکرانے کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوی۔ پھر آپ ﷺ نے یوں اس سورت کی تلاوت فرمائی: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ۔ (ابوداؤد: باب فی الحوض)

''بسم اللہ'' کی اہمیت صرف شریعت اسلامیہ میں ہی نہیں بل کہ پچھلی شریعتوں میں بھی اس کی اہمیت مسلم رہی ہے۔ حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دین کی طرف بلاتے رہے۔ قوم نے جب بات ماننے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے متبعین سمیت کشتی میں سوار ہو کر بستی سے نکل جانے کا حکم دیا۔ حضرت نوحؑ نے اپنے متبعین سے کہا: وَ قَالَ ارۡکَبُوۡا فِیۡہَا بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَ مُرۡسٰہَا ۔ (ھود: ۴۱) ''(نوح نے) کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ ہی کے نام سے اس

چلنا اور ٹھہرنا ہے''۔

حضرت سلیمانؑ کو ہد ہد پرندے نے آ کر خبر دی کہ میں آپؑ کے حدودِ سلطنت سے نکل کر ایک ایسے ملک میں جا پہنچا، جہاں ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ اور اس کی قوم سورج کی پوجا کر رہے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ اس ملکہ کو الہ واحد کی دعوت دیتے ہوے ایک خط لکھا۔ اس خط کا آغاز انھوں نے ''بسم اللہ'' ہی سے کیا۔ جب ملکۂ سبا کے پاس حضرت سلیمانؑ کا خط پہنچا تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا: يَـٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيْمٌ ۔اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔(النمل:30.29)'' وہ کہنے لگی: اے سردارو! میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔ جو سلیمان کی طرف سے ہے اور جو رحم کرنے والے، مہربان اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے''۔ شاید ''بسم اللہ'' کی برکت تھی کہ ملکۂ سبا اپنی ساری قوم سمیت حضرت سلیمانؑ کے دربار میں حاضر ہو کر اسلام قبول کی۔

یہ ایک ایسا انقلابی کلمہ ہے، جس میں لوگوں کے دلوں کو بدلنے کی تاثیر موجود ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پچھلی امت کے ایک بادشاہ کا ذکر کیا جس کے پاس ایک جادوگر تھا۔ جادوگر جب بوڑھا ہو گیا تو بادشاہ نے اس کے پاس ایک نوجوان کو بھیجنا شروع کیا تاکہ وہ اس سے جادو کی تعلیم حاصل کرے۔ نوجوان جادوگر کے پاس جا کر علم حاصل کرنے لگا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب کے گھر پر سے اس کا گزر ہوتا تھا۔ ایک دن وہ اس کے پاس گیا، اسے اس کی بات اچھی لگی، پھر ہر دن وہ راہب سے بھی علم حاصل کرنے لگا۔ ایک دن ایک موذی جانور لوگوں کے راستے میں آ گیا، جس کی وجہ سے راہ گیروں کو راستہ پار کرنے میں دشواری پیش آنے لگی۔ اس نوجوان نے سوچا کہ یہ جادوگر اور راہب کے علم کو آزمانے کا بہترین موقع ہے۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا علم تیرے نزدیک جادوگر کے علم سے بہتر ہے، تو اس جانور کو ہلاک کر دے۔ چنانچہ وہ جانور ہلاک ہو گیا۔ لوگوں کے درمیان نوجوان کی شہرت ہوی۔ لوگ اس کے پاس آتے اور شفایاب ہو کر جاتے۔

بادشاہ کا ایک وزیر جو نابینا تھا، جب وہ اس نوجوان کے بارے میں سنا تو اس کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے اپنے جادو سے اچھا کردو۔نوجوان نے کہا: اچھا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ تو میں تمھارے حق میں دعا کروں گا۔وہ وزیر اللہ پر ایمان لے آیا۔نوجوان نے دعا کی تو اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔وزیر بادشاہ کے پاس پہنچا اور جب اس کی یہ حالت دیکھی تو دریافت کیا کہ کس نے تمھاری بینائی لوٹائی۔وزیر نے کہا: میرے مالک نے۔بادشاہ نے پوچھا کہ میرے سوا تمھارا مالک اور کون ہے؟ وزیر نے کہا: اللہ۔یہ سن کر بادشاہ غصے میں آیا اور کہا: یہ بات تجھے کس نے بتائی؟ اس نے نوجوان کا نام بتادیا۔۔۔۔۔بادشاہ نے اس نوجوان کو قتل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔چند درباریوں سے کہا کہ اسے پہاڑ کی اونچی چٹان پر لے جاؤ، وہاں سے گرا کر ہلاک کردو۔لوگ اسے لے کر جب چٹان پر پہنچے تو اس نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ان کی سازشوں سے نجات دے۔اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کردیا اور وہ صحیح سالم بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔پھر بادشاہ نے کچھ لوگوں کے حوالے کر کے کہا کہ اسے سمندر میں لے جا کر پھینک دو۔یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی۔

نوجوان بادشاہ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر تم مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی تدبیر ہے۔وہ یہ کہ اپنی مملکت کے سارے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو اور مجھے ایک درخت سے لٹکا کر میرے ترکش کا تیر ''بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ''(اللہ کے نام سے تیر چلاتا ہوں جو اس نوجوان کا رب ہے) کہہ کر مجھ پر چلاؤ۔بادشاہ نے سارے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور ''بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ'' کہہ کر اس پر تیر چلایا۔جس کی وجہ سے بچہ شہید ہوگیا۔

جب لوگوں نے اللہ کے نام کی یہ تاثیر دیکھی تو انھیں اللہ کے رب ہونے پر یقین ہوگیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔بادشاہ سخت برہم ہوا اور بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان میں آگ روشن کی اور حکم دیا کہ جو ایمان سے منحرف نہ ہو اسے اس آگ میں پھینک دو۔(مسلم: باب قصۃ اصحاب الاخدود)

ہر اچھے کام کا آغاز ’’بسم اللہ‘‘ سے کرنا چاہیے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ہر کام کا آغاز ’’بسم اللہ‘‘ سے کرو۔ چاہے کھانا کھانے لگو۔ دروازہ بند کرو۔ یا برتن ڈھانکو۔()

قرآن مجید کی سب سے پہلی وحی میں اللہ کے رسول ﷺ کو حصولِ علم کا حکم دیا گیا اور اس کا آغاز بھی اللہ کے نام سے کرنے کا حکم دیا گیا۔فرمایا گیا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔(العلق:1)’’اپنے اس رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا‘‘۔

بہت سی عبادتوں کا آغاز بسم اللہ سے کرنے کی تلقین کی گئی۔ وضو ایک اہم عبادت ہے۔اس کا آغاز بسم اللہ سے کرنے کا حکم دیا گیا۔اگر وضو سے پہلے ’’بسم اللہ‘‘ نہ کہا جائے تو وہ وضو نامکمل ہوتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لَاوَضُوْءَ لِمَنْ لَمْ یَذْكُرِاسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ ۔(ابوداؤد: باب فی التسمیۃ علی الوضوء)’’اس شخص کا وضو درست اور مکمل نہیں ہوتا جو اس پر اللہ کا نام نہ لے‘‘۔

قربانی شعائرِ اسلام میں سے ہے۔کسی بھی جانور کی قربانی کرتے ہوے ’’بسم اللہ‘‘ پڑھنا ضروری ہے۔سورۂ حج میں ارشاد ہے: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوااسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ۔(الحج:34)’’اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمادیے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں‘‘۔

اگر قربانی کرتے ہوے بسم اللہ نہ کہا جائے تو قربانی درست نہیں ہوتی۔ایسے جانور کا گوشت کھانا حرام ہوجاتا ہے۔سورۂ انعام میں ارشاد ہے: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔(الانعام:121)’’ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو‘‘۔

اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے قربانی کرتے وقت ’’بِسْمِ اللّٰهِ ،اَللّٰهُ أَكْبَرُ‘‘ کہنے کی تعلیم دی ہے۔(مسلم: کتاب الاضاحی)

حضرت عدی بن حاتمؓ نے شکاری کتے بارے میں دریافت کیا کہ تو آپ ﷺ نے فرمایا: إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَأَخَذَ فَكُلْ ۔(نسائی: باب صید الکلب

المعلم)''اگرتم اپنے کتے کو''بِسْمِ اللّٰہِ '' کہہ کرشکار کے لیے چھوڑتے ہوتو شکار کیے ہوے جانور کا گوشت کھاؤ،ورنہ نہیں''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بہت سے بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط لکھے۔یہ بادشاہ کافر اور مشرک تھے،اللہ کو ماننے والے نہیں تھے،اس کے باوجود آپ ﷺ نے جب انھیں خط لکھا تو خط آغاز''بِسْمِ اللّٰہِ '' سے کیا۔روم کے بادشاہ ہرقل کے نام آپ ﷺ نے جو خط لکھا،اس کا مضمون یہ ہے۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔()

حدیبیہ کے مقام پر مکہ کے مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہوی۔جب صلح نامہ لکھا جانے لگا تو آپ ﷺ نے کاتب سے کہا:'' بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ''لکھو۔مکہ والوں نے اعتراض کیا کہ ہم رحمٰن اور رحیم نہیں جانتے تو آپ ﷺ نے کاتب سے کہا کہ ٹھیک ہے:''بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ ''لکھو۔(بخاری:)

جب آپ ﷺ اسلامی لشکر کو جہاد پر روانہ کرتے تو انھیں ہدایات دیتے ہوے فرماتے:اُغْزُوْا بِسْمِ اللّٰہِ ۔''اللہ کا نام لے کر میدان جہاد میں قدم رکھو''۔()

صبح اور شام کی بہت سی دعاؤں کا آغاز''بِسْمِ اللّٰہِ '' سے ہوتا ہے۔سوتے وقت،کھانا کھاتے وقت،قضائے حاجت کے وقت،سواری پر سوار ہوتے وقت،گھر میں داخل ہوتے وقت،گھر سے نکلتے وقت،مسجد میں داخل ہوتے وقت،مسجد سے نکلتے وقت،اس طرح کی بہت ساری دعاؤں کا آغاز ''بِسْمِ اللّٰہِ '' سے ہوتا ہے،جس سے''بسم اللہ'' کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

بسم اللہ کی تاثیر : لفظ''بِسْمِ اللّٰہِ ''میں حیرت انگیز تاثیر ہے۔یہ دلوں پر اثر انداز ہونے والا کلمہ ہے۔سفر طائف کے موقع پر جب اللہ کے رسول ﷺ کو اوباشوں نے پتھر مار کر لہولہان کیا تو آپ ﷺ ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔جو عتبہ اور شیبہ نامی طائف کے رئیسوں کا تھا۔ان کو نبی اکرم ﷺ کی حالت پر ترس آیا۔اپنے غلام عداس کے ہاتھوں کچھ انگور دے کر بھیج دیے۔غلام نے انگور آپ ﷺ کو پیش کیے۔آپ ﷺ سخت جسمانی تکلیف کے باوجود''بِسْمِ اللّٰہِ '' کہہ کر انگور کی طرف ہاتھ

بڑھائے۔ عداس نے حیرت سے آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور عرض کیا: یہ ایسا کلام ہے جو یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں عیسائی ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا مرد صالح یونس بن متی کے شہر کے باشندے ہو؟ اس نے عرض کیا: آپ ﷺ کو کیسے خبر ہوی کہ وہ کون تھے؟ اور کیسے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے بھائی تھے۔ میں بھی نبی ہوں اور وہ بھی نبی تھے۔ عداس یہ سنتے ہی جھک پڑا اور آپ ﷺ کا سر اور قدم چوم لیے۔ عتبہ وشیبہ غلام کو دیکھ رہے تھے۔ جب عداس واپس آیا تو پوچھا: تم یہ کیا کر رہے تھے؟ عداس نے کہا: روئے زمین پر آج اس شخص سے بہتر کوئی نہیں۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف ایک نبی ہی بتا سکتا ہے۔ (رحمۃ للعالمین۔ ج ۱/)

بسم اللہ کی برکت : ''بِسْمِ اللّٰہِ ''بہت ہی خیر و برکت والا کلمہ ہے۔ حضرت وحشی بن حرب ؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر سیر نہیں ہوتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تم الگ الگ کھاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: فَاجْتَمِعُوا عَلٰی طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ ۔''مل کر کھایا کرو، اور کھانے سے قبل اللہ کا نام لیا کرو، اس سے تمہارے کھانے میں برکت ہوگی'' ۔(ابوداوٗد: باب فی الاجتماع علی الطعام)

جس چیز پر ''بِسْمِ اللّٰہِ ''پڑھا جائے، اس میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے۔ وہ چیز مختصر ہونے کے باوجود بہت سارے لوگوں کے لیے کافی ہوجاتی ہے۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ سخت بھوکے تھے۔ حضرت ابوطلحہ ؓ نے ام سلیم ؓ سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے تو تیار کرو۔ گھر میں تھوڑا سا آٹا تھا، وہ گوندھ کر انھوں نے روٹیاں بنالیں اور بکری کا بچہ ذبح کرکے اس کا سالن بنالیا۔ ابوطلحہ ؓ نے مجھ سے کہا کہ جاوٗ! اللہ کے رسول ﷺ کو بلالاوٗ۔ میں نے جب آپ کو ابوطلحہ ؓ کا پیغام سنایا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ابوطلحہ نے تمھاری دعوت کی ہے۔ یہ سن کر بہت سے صحابہ ساتھ ہولیے۔ ابوطلحہ اتنے آدمی دیکھ کر گھبرا گئے لیکن ام سلیم ؓ نہیں گھبرائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ پاس

پہنچے اور پکتے ہوے کھانے پر ''بِسْـمِ اللّٰـهِ '' کہہ کر برکت کی دعا کی۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو بلاتے جاؤ۔ جب صحابہ کھانے کے لیے بیٹھے تو فرمایا: ''بِسْـمِ اللّٰهِ '' کہہ کر کھاؤ۔ اس کھانے کو تقریباً اسّی صحابہ نے کھایا لیکن پھر بھی بچ رہا۔ (مسلم: کتاب الطعام)

اگر کھانا کھانے سے پہلے ''بِسْـمِ اللّٰـهِ '' نہ کہا جائے تو برکت اٹھالی جاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنے چھے اصحاب کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے، ایک دیہاتی آیا اور (بسم اللہ کہے بغیر) کھانے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: أَمَا إِنَّهُ لَوْ سُمِّيَ لَكَفَاكُمْ ۔ اگر یہ شخص ''بِسْـمِ اللّٰهِ '' کہتا تو یہ کھانا تم سب کے لیے کافی ہو جاتا''۔ (الترغیب والترھیب: ۲۱۰۷)

ایسے کھانے میں شیطان شریک ہو جاتا ہے جس پر بِسْـمِ اللّٰـهِ نہ کہا جائے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں، کھانا حاضر کیا جاتا ہے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا جب تک کہ آپ ﷺ کھانا نہ شروع کرتے ۔ ایک مرتبہ جب کھانا حاضر تھا تو ایک دیہاتی آیا اور کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔ آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک بچی آئی وہ بھی کھانے میں ہاتھ ڈالنے لگی تو آپ ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر فرمایا: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَايَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَايُذْكَرَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔ جب کھانے پر بِسْـمِ اللّٰـهِ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لیے حلال کر لیتا ہے۔ وہ پہلے اس لڑکی کے ساتھ آیا تا کہ ہمارا کھانا کھائے۔ میں نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر وہ اعرابی کے ساتھ آیا۔ میں نے اعرابی کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، شیطان اس وقت ان دونوں ہاتھوں کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ (مسلم: باب آداب الطعام والشراب واحکامھما)

''بِسْـمِ اللّٰـهِ '' ایک ایسا ہتھیار ہے، جس سے شیطان کو آسانی سے زیر کیا جا سکتا ہے۔ ''ایک صحابی جو سواری میں اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوے تھے۔ سواری کو ٹھوکر لگی تو انھوں نے کہا: شیطان کا بُرا ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لَاتَقُلْ تَعِسَ الشَّيْطَانُ فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ تَعَاظَمَ حَتّٰى يَكُونَ مِثْلَ الْبَيْتِ وَيَقُولُ :بِقُوَّتِيْ ،وَلٰكِنْ قُلْ :بِسْمِ اللّٰهِ ۔فَإِنَّكَ قُلْتَ ذٰلِكَ

تَصَاغَرَ حَتّٰی یَکُوْنَ مِثْلَ الذُّبَابِ ۔(ابوداؤد:)اس طرح مت کہو۔جب تم ایسا کہتے ہوتو خوشی سے اس قدر پھول جاتا ہے کہ گھر مانند بڑا ہوجاتا ہے اور کہتا کہ میری وقت سے ہوا ہے،اس کی بجائے ''بِسْمِ اللّٰہِ '' کہو۔اگر تم ''بِسْمِ اللّٰہِ '' کہوگے تو پگھل کر مکھی کی مانند ہوجاتا ہے''۔

اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے شیطان کے شر اور نقصان سے بچنے کے لیے ہر کام سے ''بِسْمِ اللّٰہِ '' پڑھنے کا حکم دیا۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:جب تم گھر میں داخل ہوتو گھر والوں کو سلام کرو۔اور جب کھانا کھاؤ تو ''بِسْمِ اللّٰہِ '' کہو۔جب بندہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرے اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا کہ یہاں نہ تمھارے لیے کھانا ہے اور نہ رات گزارنے کی جگہ ہے۔اور جب بندہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام نہ کرے اور کھاتے وقت بسم اللہ نہ کہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا کہ یہاں تمھارے لیے کھانا بھی ہے اور رات گزارنے کی جگہ بھی ہے''۔(ابوداؤد:باب التسمیۃ علی الطعام)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:جب رات کا اندھیرا چھا جائے تو اپنے بچوں کو گھروں میں روک لیا کرو کیوں کہ اس وقت شیطان اور جن پھیل جاتے ہیں،عشاء سے کچھ دیر بعد بچوں کو چھوڑ دو اور گھر کا دروازہ بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر بند کرو۔چراغ بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر بجھاؤ۔پانی کا برتن بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر ڈھانپ دو۔اور دوسرے برتن بھی بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر ڈھانپ دو۔اگر برتن ڈھانپنے کے لیے کوئی ڈھکن نہ ملے تو کوئی چیز آڑھی رکھ دو۔(بخاری:باب صفۃ ابلیس وجنودہ)

فرشتے ایسے شخص کی حفاظت کرتے ہیں جو کسی بھی مصیبت اور پریشانی میں اللہ کو یاد کرتا ہے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ جنگ احد میں زخمی ہوے،اور ان کی انگلیاں کٹ گئیں تو ان کی زبان سے آہ کی آواز نکلی۔اللہ کے رسول ﷺ نے سنا تو فرمایا:لَوْقُلْتَ بِسْمِ اللّٰہِ لَرَفَعَتْكَ الْمَلَائِکَۃُ وَالنَّاسُ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ حَتّٰی تَلِجَ بِكَ فِیْ جَوِّ السَّمَاءِ ۔(نسائی:باب مایقول اذا اصابتہ جراحۃ۔صحیح الجامع الصغیر:5276)''اگر تم بِسْمِ اللّٰہِ کہتے تو فرشتے تمھیں آسمان کی طرف اٹھا کر لے جاتے۔لوگ تمھیں آسمان میں داخل ہوتے ہوے اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔

موجودہ دور بڑا پُر آشوب دور ہے۔گھر سے نکلتے ہوے ہر آدمی کو یہ پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ کہیں کسی حادثے کا شکار نہ ہو۔ایک مومن گھر سے نکلتے ہوے جب یہ دعا پڑھ کر نکلے تو ہر طرح کی آفتوں اور مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اذا خرج الرجل من بیتہ فقال: بسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔قال: یقال حینئذ ھدیت وکفیت ووقیت فتنحی لہ الشیاطین۔(ابوداؤد: باب مایقول الرجل اذا خرج من بیتہ)''جب آدمی اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے: اللہ کا نام لے کر (میں گھر سے نکلتا ہوں) اللہ پر ہی میں بھروسہ کرتا ہوں۔کوئی طاقت اور قوت اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں فائدہ پہنچاتی''۔تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تمھیں ہدایت دی گئی، تمھارے لیے (اللہ) کافی ہوگیا اور تمھاری حفاظت کرلی گئی۔شیطان اس سے دور ہوجاتا ہے''۔

آج اکثر لوگوں کو شکایت ہے کہ اولاد نافرمان ہے۔ممکن ہے اس کا ایک سبب اسلامی تعلیمات سے ہماری دوری ہو۔ہمیں اس بات کی تعلیم دی گئی کہ جب بھی بیوی سے ہم بستری کریں تو یہ دعا پڑھیں: بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔(ترمذی: باب مایقول اذا دخل علی اھلہ)''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔اے اللہ! ہم کو شیطان (کے شر) سے بچا اور جو بھی اولاد ہمیں عطا کرے اسے بھی شیطان کے شر سے محفوظ رکھ''۔

''بِسْمِ اللّٰہِ'' ہر بیماری سے شفا اور ہر مصیبت سے محفوظ رہنے کا نسخہ ہے۔حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے شکایت کی کہ جب سے میں اسلام قبول کیا ہوں، اس وقت سے میرے جسم میں درد رہتا ہے، (آپ ﷺ اس کا کوئی علاج بتائیے) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ضَعْ یَدَکَ عَلَی الَّذِیْ تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِکَ وَقُلْ: بِسْمِ اللّٰہِ ثَلَاثًا، وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّمَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔ ''اپنا ہاتھ اس جگہ پر رکھو، جہاں پر درد محسوس کرتے ہو، پھر تین مرتبہ ''بسم اللہ'' کہو اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھو: أَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّمَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔(میں اللہ اور اس کی قدرت کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس برائی سے جو میں محسوس کرتا ہوں اور جس سے میں بچتا ہوں) وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، اللہ نے مجھے شفا عطا فرمائی۔(مسلم: باب استحباب وضع یدہ علی موضع الالم)

الحمدللہ

اہمیت اور فوائد

انسان پر اللہ کے بے شمار احسانات ہیں۔ان احسانات کا تقاضا ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں اس کی حمد وثنا بیان کی جائے ۔ نیک بندوں کی زبانیں اللہ کی حمد وثنا اور تعریف وتوصیف سے ہمیشہ تر رہتی ہیں۔فرشتے، جو اللہ کے مقرب بندے ہیں،ان کا ایک اہم وصف اللہ کی حمد وثنا بتایا گیا،جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:**اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** ۔(المؤمن:7)
''عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے،اور وہ جو عرش کے گردو پیش حاضر رہتے رہتے ہیں،سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں''۔

انسانوں میں سب سے افضل انبیاء ورسل ہیں۔ان کا بھی یہ حال ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں۔حضرت نوحؑ کو جب اللہ تعالیٰ نے ظالموں سے نجات دلائی تو فرمایا: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ** ۔(المؤمنون:28)''شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو کافروں (کے افعال اور تکالیف) سے نجات دی''

حضرت داوٗدؑ اور سلیمانؑ اللہ کے نبی بھی تھے اور دنیوی اعتبار سے بڑے بادشاہ بھی۔جب بھی کوئی نعمت ملتی،وہ اللہ کی تعریف وتوصیف بیان کرنے لگتے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وفضل کی عظیم دولت سے نوازا تو دونوں کی زبان پر حمد باری تعالیٰ کے یہ الفاظ تھے:**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْن** ۔(النمل:15)''تمام تعریفیں اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی''۔

اللہ کی حمد کے مقامات:

اللہ کی حمد اور تعریف ہر وقت اور ہر حال میں کرنی چاہیے۔مگر کچھ حالات ایسے ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی حمد بیان کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

نعمتوں کے ملنے پر : اللہ کی نعمتوں کا ابرِ کرم انسان پر ہمیشہ برستا رہتا ہے۔مومن بندوں کو تعلیم دی گئی کہ جب بھی اللہ کی کوئی نعمت عطا ہو تو اس پر اللہ کی حمد وثنا بجالائیں۔رزق اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے۔کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے:الحمد لله الذی أطعمنی هذا ورزقنیه من غیر حول منی ولاقوة ۔(ابن ماجہ: کتاب الأطعمۃ)''ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور بغیر طاقت اور قوت کے مجھے یہ رزق عطا کیا''۔

یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ نیا کپڑا پہنتے ہوے مومن کا دل اللہ کی حمد وشکر کے جذبات سے معمور ہو۔اس کی زبان پر حمد کے یہ کلمات ہوں:اللهم لك الحمد أنت كسوتنيه أسألك من خيره وخير ماصنع له وأعوذ بك شره وشر ماصنع له ۔(ابوداؤد: باب مایقول إذا لبس ثوباجدیدا)''اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے ہی لیے زیبا ہیں۔تو نے مجھے یہ لباس پہنایا۔میں تجھ سے اس لباس کے خیر کی اور اُس خیر کی جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے، بھیک مانگتا ہوں اور میں تیری حفاظت کا طلب گار ہوں اس لباس کی برائی سے اور اس برائی سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے''۔

نیند اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے۔یہ وہ نعمت ہے جو انسان کو نئی زندگی اور تازگی وتوانائی عطا کرتی ہے۔بندۂ مومن کو سونے سے پہلے بھی اور سو کر اٹھنے کے بعد بھی اللہ کی حمد بیان کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔حضرت فاطمہؓ نے گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ سے ایک خادم طلب کیا تو آپؐ نے فرمایا: میں تمھیں خادم سے بہتر چیز عطا کرتا ہوں۔جب رات لیٹنے کے لیے تم اپنے بستر پر جاؤ تو 33 رمرتبہ سبحان اللہ، 33 رمرتبہ الحمدللہ اور 34 رمرتبہ اللہ اکبر پڑھ لو۔یہ تمھارے لیے دنیا کے خادم سے بڑھ کر ہے''۔(صحیح الجامع الصغیر: 2616)

سو کر اٹھنے کے بعد یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا:الحمدلله الذی أحیانابعد ماأماتناوإلیه النشور ۔(ابوداؤد: باب مایقال عندالنوم)''اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

چھینک انسانی جسم میں نشاط اور چستی پیدا کرتی ہے۔اس پر اللہ کی تعریف بیان کرنے کی تعلیم ہمیں ملتی ہے۔(صحیح الجامع الصغیر: 3151)

سورۂ ملک میں موت وحیات کی تخلیق کا مقصد ''حسنِ عمل'' بتایا گیا ہے۔اگر کسی کو حسنِ عمل کی

توفیق ملے تو اس پر وہ نہ اِترائے، بلکہ اس کی توفیق پر اللہ کی تعریف بیان کرے۔فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اسی جذبۂ شکر کا اظہار ہے۔(صحیح الجامع الصغیر:2626)

ہر چھوٹی بڑی نعمت پر اللہ کی حمد کرنا رحمٰن کے بندوں کا امتیازی وصف ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: جب کبھی رسول اکرم ﷺ کو کوئی خوشی لاحق ہوتی تو یہ دعا پڑھتے:الحمد للہ بنعمتہ تتم الصالحات ۔''سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں۔اسی کی نعمت سے تمام بھلائیاں مکمل ہوتی ہیں''۔اور اگر غم یا پریشانی لاحق ہوتی تو یوں فرماتے:الحمد للہ علی کل حال ۔''ہر حال میں اللہ ہی کی تعریف ہے''۔(صحیح الجامع الصغیر:4640)

مومن بندے کے لیے سب سے بڑا غم آخرت کی رسوائی ہے۔جب مومن بندوں کو اللہ تعالیٰ اس رسوائی سے بچالے گا تو ان کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے: **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ**۔(فاطر:34)''ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم دور کیا''۔

جنت میں داخلہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔جب مومنوں کے حق میں جنت کا فیصلہ ہوگا تو بے ساختہ ان کی زبان پر اللہ کی حمد کے کلمات جاری ہوں گے:وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ۔(الأعراف:43)''وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا احسان ہے، جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا،اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی،اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتا''۔

جنت میں مومنوں کی زبان پر سب سے آخری کلمہ اللہ کی حمد کا ہی ہوگا: دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس:10)''اُن کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ!اور ان کا باہمی سلام اس میں یہ ہوگا: السلام علیکم،اور اُن کی (اس وقت کی ان باتوں میں)اخیر بات یہ ہوگی: الحمدللہ رب العالمین،یعنی سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مُربی ہے ہر ہر عالم کا''۔

اللہ کی حمد کے بہت سارے کلمات قرآن مجید اور احادیث میں بتائے گئے ہیں۔ان میں سب سے مختصر کلمہ ''الحمدللہ'' ہے۔اس کو رسول اللہ ﷺ نے سب سے افضل دعا قرار دیا ہے،فرمایا: افضل الذکر لااِلٰہ اِلااللہ و أفضل الدعاء الحمدللہ ۔(صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ:1104)''سب سے افضل ذکر ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے اور سب سے افضل دعا ''الحمدللہ'' ہے''۔

اللہ کی حمد اور تعریف کے کلمات اس قدر پاکیزہ اور مبارک ہیں کہ قرآن مجید کی کئی سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ نے انہی کلمات سے کیا ہے۔ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت سورۂ فاتحہ کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے۔

''الحمدللہ'' کے معنی ہیں: ہر طرح کی تعریف کی سزاوار ذات تنہا اللہ تعالیٰ کی ہے، اور حقیقی تعریف اسی کے لیے لائق اور زیبا ہے۔ مومن بندہ جب اپنی زبان سے ''الحمدللہ'' کہتا ہے تو اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ تعریفوں بھرے ہر طرح کے پاکیزہ اور مبارک کلمات اللہ کے لیے ہیں۔ ہر قسم کی خوبی کا مالک وہی ہے۔ جب وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے تو اس کا اثر اس کی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا دوسروں کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیتا۔ دوسروں کی خوشامدی کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر کسی میں کوئی خوبی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور اس پر بھی حقیقت میں اللہ ہی کی تعریف ہونی چاہیے۔

''الحمدللہ'' کا دوسرا اثر اس کی ذات پر یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری تمام صلاحتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں۔ اس لیے وہ دوسروں سے اپنی تعریف سننے کا خواہش مند نہیں ہوتا۔ انسان کی ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ دوسروں سے اپنی تعریف سننا پسند کرتا ہے، بلکہ اپنی تعریف سن کر خوش ہوتا ہے اور بعض لوگ اچھے کام اسی لیے کرتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف کریں۔ ایک مومن کے ذہن میں ہمیشہ یہ بات ہوتی ہے کہ یہ صلاحیتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں، ان پر تعریف کا مستحق صرف اللہ ہے۔ اس لیے وہ لوگوں سے بے جا تعریف سننے کا اپنے دل میں جذبہ نہیں رکھتا، بلکہ اس کو ناپسند کرتا ہے۔

اللہ کی حمد کا اس کی ذات پر تیسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ان نعمتوں کو پانے کے بعد اس کے دل میں اللہ کا شکر بجالانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ ایک ایک نعمت پر اللہ کی حمد اور اس کی تعریف بجالایا کرتے تھے۔ پانی ایک غیر معمولی نعمت ہے، مگر اس کو پیتے ہوئے بھی آپ ﷺ اللہ کی حمد بیان کرتے اور اس کا شکر بجالاتے۔ حضرت نوفل بن معاویہؓ فرماتے ہیں: كان يشرب في ثلاثة أنفاس، يسمى الله في أوله ويحمدالله في آخره ۔(صحیح الجامع الصغیر:4956) ''نبی کریم ﷺ تین سانس میں پانی نوش فرماتے۔ پانی پینے سے پہلے ''بسم اللہ'' کہتے اور اس سے فارغ ہوتے تو اللہ کی حمد بیان کرتے (یعنی الحمدللہ کہتے)''۔

پانی کا ایک ایک گھونٹ پر اور کھانے کا ہر لقمہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر اللہ کا شکر بجالایا جائے اور اللہ کی تعریف کی جائے۔ یہ ایسا عمل ہے جو اللہ کو بے حد پسند ہے۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: إن اللہ لیرضی عن العبد أن یأکل الأکلة فیحمدہ علیھا أو یشرب الشربة فیحمدہ علیھا ۔(مسلم: باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الأکل والشرب) ''اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو ایک گھونٹ پانی پیتا ہے اور اس پر اللہ کی تعریف کرتا ہے اور ایک لقمہ کھاتا ہے اور اس پر اللہ کی تعریف اور شکر بجالاتا ہے''۔

امام بکر بن عبداللہ مزنیؒ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایک مزدور کو دیکھا جو اپنے کاندھے پر بوجھ اٹھائے ہوئے جارہا تھا، اور بار بار ان دو کلمات کا ورد کر رہا تھا: ''الحمد للہ، استغفر اللہ''۔ امام صاحب کو تعجب ہوا، اس سے پوچھا: کیا تمھیں ان دو کے سوا کچھ نہیں آتا۔ حمد سے فارغ ہوتے تو استغفار کرتے ہو اور استغفار سے فارغ ہوتے ہو تو حمد کرتے ہو؟ وہ مزدور جواب میں کہنے لگا: کیوں نہیں۔ میں تو حافظِ قرآن ہوں اور مجھے کئی دعائیں بھی یاد ہیں، لیکن حمد اور استغفار کثرت سے اس لیے کرتا ہوں کہ آدمی دو حالتوں سے ضرور دوچار ہوتا ہے۔ اللہ کی نعمتیں پاتا ہے اور اس کے حق میں گناہ کرتا رہتا ہے۔ جب میں اللہ کی نعمتوں کو یاد کرتا ہوں تو ''الحمد للہ'' کہتا ہوں اور جب اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالتا ہوں تو بے ساختہ میری زبان سے: ''استغفر اللہ'' نکلتا ہے۔ بکر بن عبداللہ مزنی کہتے ہیں: میں مزدور کا جواب سن کر حیران ہوگیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا: یہ مزدور تو مجھ سے زیادہ فقیہ ہے''۔ (عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین لابن القیمؒ: ۱۲۲)

''الحمد للہ'' ایک مختصر کلمہ ہے مگر اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔

۱۔ یہ بڑے اجر وثواب والا کلمہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: الحمد للہ تملأ المیزان (مسلم: باب فضل الوضوء) ''(قیامت کے دن جب نامۂ اعمال وزن کیے جائیں گے تو) ترازو میں سب سے زیادہ وزنی ''الحمد للہ'' ہوگا''۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ ایک شخص نے ''الحمد للہ کثیرا'' کہا تو فرشتے پر اس کا ثواب لکھنا دشوار ہوگیا۔ وہ (اس مسئلے کو لے کر) دربارِ الٰہی میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے کہا: اکتبھا کما قال عبدی کثیرا۔ اسی طرح لکھ دو جس طرح میرے بندے نے ''کثیرا'' کہا ہے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: 3452)

۲۔جب بندہ پورے اخلاص کے ساتھ اپنی زبان سے اللہ کی تعریف کے کلمات ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کلمات کو اپنی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے فرشتوں کو زمین پر بھیجتا ہے۔ایک شخص نے نماز کی حالت میں چھینکنے کے بعد بلند آواز سے'' الحمد لله حمدا كثيرا طيبامباركافيه مباركا عليه كمايحب ربناويرضى '' کہا۔نماز کے بعد آپ ﷺ نے دریافت کیا: کس نے یہ کلمات بلند آواز سے کہے۔صحابی نے ڈرتے ہوئے جواب دیا: میں۔آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیس سے زائد فرشتے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کررہے تھے کہ کون سب سے پہلے ان کلمات کو لکھ لے اور اللہ کے دربار میں پیش کرے''۔(ترمذی :باب الرجل یعطس فی الصلاۃ)

۳۔تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ اور پریشان حال کو دیکھ کر اللہ کی حمد بیان کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے محفوظ رکھتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:من رأى مبتلى فقال : الحمد لله الذى عافانى مماابتلاك وفضلنى على كثير ممن خلق تفضيلا،لم يصبه ذلك البلاء۔(صحیح الجامع الصغیر:۶۲۴۸)''جو شخص کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر مذکورہ دعا پڑھے:الحمد لله الذى عافانى مماابتلاك وفضلنى على كثير ممن خلق تفضيلا۔یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا،جس میں تم مبتلا ہو اور مجھے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی،تو اس کو وہ مصیبت لاحق نہیں ہوتی''۔

ایسے آزمائشی موقع پر ایک مومن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دعا پر اکتفا نہ کرے، بلکہ اپنے مصیبت زدہ بھائی کی حتی الامکان مدد کرے۔اگر وہ بیمار ہے تو اس کی عیادت کرے اور اچھے طبیب اور معالج کی طرف رہنمائی کرے اور مالی امداد کرے۔اور اگر وہ کسی اور مصیبت میں مبتلا ہے تو اس سے نکلنے میں حتی المقدور ہاتھ بٹائے۔ایسے مصیبت زدہ کو حقیر سمجھنا اور اس کی تحقیر کرنا یہ ایمانی اخوت کے منافی ہے۔

۴۔جو شخص دنیا میں کثرت سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہے تو موت کے وقت اس کی زبان پر حمد کے کلمات جاری ہوں گے، جو حسنِ خاتمہ کی علامت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:المؤمن بخير على كل حال وإن المؤمن تخرج نفسه وهويحمدالله۔(مسند احمد)''مومن ہر حال میں بھلائی پاتا

ہے۔ جب اس کے جسم سے روح نکل رہی ہوتی ہے تو اس وقت بھی وہ اللہ کی حمد بیان کرتا رہتا ہے‘‘۔

۵۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ کثرت سے اللہ کی حمد بیان کرنے والا قیامت کے دن سب سے زیادہ بلند مقام والا ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِن أفضل عباد اللہ یوم القیامۃ الحمادون ۔(صحیح الجامع الصغیر:۱۵۷۱)’’اللہ کے بندوں میں قیامت کے دن سب سے افضل وہ ہیں جو ہمیشہ اس کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں‘‘۔

۶۔ جو شخص مصیبت اور پریشانی میں اللہ کی حمد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ایک محل عطا فرمائے گا، جس کا نام ’’بیت الحمد‘‘ ہوگا۔ حضرت ابوسنانؒ فرماتے ہیں کہ میرے بیٹے کا انتقال ہوگیا تو میں اپنے بیٹے کو دفنا رہا تھا۔ میرے قریب ہی ابوطلحہ خولانی تشریف فرما تھے۔ تجہیز وتکفین سے فارغ ہونے کے بعد جب میں واپس ہونے لگا تو وہ میرے ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے: میں تمھیں ایک خوش خبری سناتا ہوں۔، پھر کہنے لگے: مجھے ابوموسیٰ اشعریؓ کے حوالے سے اللہ کے رسول ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب کسی مومن بندے کا بیٹا انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے کہ کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کی؟ وہ کہتے ہیں کہ ہاں!۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تم نے میرے بندے کے جگر گوشے کو چھین لیا؟ وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ میرے بندے نے کیا کیا۔ فرشتے کہتے ہیں: حمدك واسترجع ۔اس نے تیری تعریف کی اور اِنالله وانااِلیه راجعون ۔ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ابنوا العبدی بیتافی الجنة وسمّوه بیت الحمد۔ میرے اس بندے کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کردو اور اس کا نام ’’بیت الحمد‘‘ رکھ دو۔(ترمذی: باب فضل المصیبۃ اذا احتسب)

مومن بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اللہ کی حمد اور اس کی تعریف بیان کرتا رہے۔ کبھی اس سے غافل نہ رہے۔ اللہ کی حمد وثنا جہاں نیکی اور ثواب کا کام ہے، وہیں یہ چیز آدمی کو گناہوں سے بھی محفوظ رکھتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کا بھی نہایت اہم ذریعہ ہے۔ لیکن یہ کام شعوری طور پر ہونا چاہیے۔ تبھی اس کا حقیقی فائدہ ہوگا اور اللہ کی حمد کا خوش گوار اثر آدمی کی زندگی پر پڑے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی حمد وثنا کرنے والا بنائے اور اسے اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

لذتِ بندگی

دنیا کی ہر چیز اپنی ایک لذت رکھتی ہے۔ یہ لذتیں اپنے اندر بڑا تنوع رکھتی ہیں۔ اہلِ علم نے لکھا ہے کہ دنیا میں پائی جانے والی لذتیں تین طرح کی ہوتی ہیں:

ا۔ جسمانی لذتیں: ان کا تعلق انسانی جسم سے ہے۔ مثلاً: کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور بننے سنورنے اور جنسی خواہشات کی لذت وغیرہ۔

۲۔ نفسانی لذتیں: ان کا تعلق انسان کے نفس سے ہے۔ کسی سے تعریف سن کر خوش ہونا۔ اچھی چیز یا مناظر دیکھ کر لطف اندوز ہونا، وغیرہ۔

۳۔ روحانی لذتیں: ان کا تعلق دل، عقل اور روح سے ہے۔ مثلاً: اللہ کی معرفت اور اس کے ذکر کی لذت، ایمان اور اعمالِ صالحہ کی لذت۔

پہلی دو لذتوں کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے، جب کہ آخری لذت کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے۔ یہی لذت حقیقی اور دائمی ہے۔ ذیل کی سطروں میں اسی کی کچھ تفصیل پیش کی جارہی ہے:

ا۔ ایمان کی لذت: یہ سب سے اہم لذت ہے۔ اگر ایمان دل میں جاگزیں ہو جائے تو مومن ہر طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس لذت کے سامنے دنیا کی ساری تکلیفیں معمولی نظر آتی ہیں۔ فرعون کے جادوگروں کے سامنے جب ایمان کی حقیقت واضح ہوگئی تو وہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ فرعون نے جادوگروں کو دھمکی دی کہ اگر وہ باز نہیں آئیں گے تو انھیں ذلت کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا۔ ساحرانِ فرعون کے دل ایمان کی لذت سے معمور ہو چکے تھے۔ وہ کسی بھی قیمت پر اس کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوے۔ فرعون کی دھمکی کے جواب میں انھوں نے کہا:

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَاءَ نَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ،اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰـوةَ الدُّنْيَا ۔اِنَّـآ اٰمَنَّـا بِرَبِّنَـا لِيَغْفِرَلَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۔(طٰہٰ:72,73) ”قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم

روشن نشانیاں سامنے آجانے کے بعد بھی (صداقت پر) تجھے ترجیح دیں۔ تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے۔ تو زیادہ سے زیادہ بس اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے، تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے اور اس جادوگری سے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا''۔

اصحابِ رسول کی سیرت میں ہمیں ایمان کی لذت اور حلاوت کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت بلالؓ کو مکہ کی تپتی ہوی ریت پر لٹا دیا جاتا اور جسم پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا، مکہ کی پتھریلی زمین پر انھیں گھسیٹا جاتا۔ ان تکلیفوں سے بے پرواہو کر وہ ''احد''، ''احد'' کے نعرے لگاتے۔ بعد میں حضرت ابوبکرؓ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ ہولناک مشقتیں آپؓ کیسے برداشت کرتے تھے۔ حضرت بلالؓ نے جواب دیا: مَزَجتُ حَلَاوَۃُ الْاِیُمَانِ بِمُرَارَۃِ الْعَذَابِ۔ فَطَغَتُ حَلَاوَۃُ الْاِیُمَانِ عَلٰی مُرَارَۃِ الْعَذَابِ فَلَمُ أَشُعُرُ بِشُیٍٔ۔ ''ایمان کی لذت جب ان تکلیف دہ سزاؤں کے ساتھ مل جاتی تو ایمان کی حلاوت ان پر غالب آجاتی اور مجھے ان سزاؤں کا کوئی احساس نہ ہوتا''۔ (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری: **1/104**)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رومیوں نے صحابیٔ رسول عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو گرفتار کر لیا اور ان سے کہا کہ نصرانی بن جاؤ، ورنہ تمھیں قتل کر دیا جائے گا۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ پیتل کی ایک بڑی ہانڈی میں تیل کھولایا گیا، ایک مسلمان قیدی کو لایا گیا اور اس سے بھی نصرانیت قبول کرنے کے لیے کہا گیا، مگر اس نے انکار کر دیا تو اس کو کھولتے ہوے تیل میں ڈال دیا گیا۔ عبداللہ بن حذافہؓ سے کہا گیا کہ ہمارا دین قبول کر لو، ورنہ تمھارا بھی یہی حشر ہوگا۔ انھوں نے پھر نفی میں جواب دیا، جس پر انھیں بھی اس ہانڈی میں ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ وہ رونے لگے۔ درباریوں نے کہا: یہ موت سے گھبرا کر رو رہا ہے، اسے چھوڑ دو۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا: لَاتَظُنُنَّ أَنِّیُ بَکَیُتُ جَزَعًا وَلٰکِنُ بَکَیُتُ اِذُ لَمُ یَکُنُ لِیُ اِلَّانَفُسٌ وَاحِدَۃٌ یُفُعَلُ بِهَا هٰذَا فِی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ وَقَدُ کُنُتُ أُحِبُّ أَنُ یَّکُوُنَ لِیُ أَنُفُسٌ عَدَدَ کُلِّ شَعَرَۃٍ فِیُ جَسَدِیُ ثُمَّ تُسَلَّطُ عَلَیَّ، فَتُفُعَلُ بِیُ هٰذَا۔ ''تم یہ مت سمجھنا کہ میں موت سے گھبرا کر رو رہا ہوں۔ میں تو اس غم میں رو رہا ہوں کہ میری صرف ایک جان ہے۔ میری تمنا ہے کہ میرے جسم کے بالوں کی گنتی کے برابر بھی جانیں ہوتیں اور ان سب کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تو میں اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے سب کو قربان کر دیتا''۔ (الثبات عند الممات: **53**)

اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان کی لذت کو پانے کے ذرائع بھی بتائے ہیں، جنھیں اپنا کر ہم بھی لذتِ ایمان سے آشنا ہو سکتے ہیں۔حضرت انسؓ سے مروی ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ ،أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ۔(بخاری، مسلم)''تین چیزیں ایسی ہیں، جو کسی میں پائی جائیں تو وہ ایمان کی لذت سے آشنا ہوگا۔۱۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت دوسری تمام چیزوں کی محبت سے بڑھ کر ہو۔۲۔وہ اللہ ہی کی خاطر اپنے مومن بھائی سے محبت کرے۔۳۔اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کو ویسا ہی ناپسند کرے جیسا آگ میں جلنے کو ناپسند کرتا ہے''۔

حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں:وَالْمُؤْمِنُ يُحِبُّ الْإِيمَانَ أَشَدَّ مِنْ حُبِّ الْمَاءِ الْبَارِدِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ لِلظَّمْآنِ وَ يَكْرَهُ الْخُرُوجَ مِنْهُ أَشَدَّ مِنْ كَرَاهَةِ التَّحْرِيقِ بِالنِّيرَانِ۔''ایک پیاسا شدید گرمی کے موسم میں ٹھنڈے پانی کو جتنا پسند کرتا ہے، مومن ایمان کی دولت کو اس سے کہیں زیادہ عزیز رکھتا ہے۔وہ آگ میں جلنے کو جتنا ناپسند کرتا ہے، اس سے کہیں زیادہ ایمان سے کفر کی طرف پلٹنے کو ناپسند کرتا ہے''۔(فتح الباری لابن رجب:1/58)

اعمالِ صالحہ کی لذت:ایمان کی طرح اعمال صالحہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے لذت رکھی ہے، جن سے اہل ایمان لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔جن نیک اعمال میں لذتِ ایمان کا تذکرہ زیادہ آیا ہے، ان میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے:

(۱)نماز:اعمال صالحہ میں سب سے اہم چیز نماز ہے۔نماز کی لذت بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ۔''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔(صحیح الجامع الصغیر:5435)

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔اس دنیا میں ایک مومن کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور حقیقی سرور نماز سے حاصل ہوتا ہے، کیوں کہ نماز حقیقت میں اللہ سے ہم کلامی اور سرگوشی ہے۔اور خصوصاً بندہ سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بے انتہا قریب ہوتا ہے، جس سے اس کے دل کو قرار اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن محمد بن حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد اپنے ایک سسرالی انصاری بھائی کی عیادت کے لیے گئے۔نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے اپنی لونڈی سے کہا: اِئْتُونِیْ بِوُضُوْءٍ لَعَلِّیْ أُصَلِّیْ فَأَسْتَرِیْحُ ۔''پانی لے آؤ، تا کہ میں نماز پڑھوں اور راحت حاصل کروں''۔ان کی یہ بات ہمیں بڑی عجیب لگی تو انھوں نے کہا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قُمْ یَا بِلَالُ ! فَأَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ۔اے بلالؓ! کھڑے ہو جاؤ اور نماز کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ''۔(ابوداؤد: باب فی صلاة العتمة)

حضرت خبیب بن عدیؓ کو مشرکین نے سولی پر لٹکانے سے پہلے پوچھا کہ تمھاری آخری خواہش کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: نماز پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔اس کا موقع دیا گیا۔آپؓ نے پورے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کی اور اس کے سرور ولذت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: وَاللّٰہِ ! لَوْ لَاأَنْ تَقُوْلُوْا: اِنَّ بِیْ جَزَعاً لَزِدْتُّ فِی الصَّلَاۃِ۔''اللہ کی قسم! میں نے اس خیال سے نماز مختصر کر دی کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ میں نے موت کے ڈر سے نماز طویل کر دی''۔(زادالمعاد: 3/219)

حضرت حماد بن سلمہؒ فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ أَعْطَیْتَ أَحَدًا الصَّلَاۃَ فِیْ قَبْرِہٖ فَأَعْطِنِی الصَّلَاۃَ فِیْ قَبْرِیْ۔(سیر أعلام النبلاء: 5/222) ''اے اللہ! اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کا موقع عطا کرے تو مجھے یہ موقع عطا فرما''۔

حضرت مصعبؒ فرماتے ہیں کہ عامر بن عبداللہ بن زبیرؒ نے اذان کی آواز سنی۔وہ مرض الموت میں تھے۔گھر والوں سے کہتے ہیں کہ مجھے مسجد لے چلو۔ان سے کہا گیا کہ آپ تو بیمار ہیں اور آپ کے لیے رخصت ہے۔فرمایا: أَسْمَعُ دَاعِیَ اللّٰہِ أَ فَلَا أُجِیْبُہٗ ؟ اللہ کے منادی کی آواز سنوں اور میں اس پر لبیک نہ کہوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آخر ان کے اصرار پر لوگ انھیں مسجد لے گئے۔مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے۔ابھی ایک ہی رکعت ہوئی تھی کہ آپ کی روح پرواز کر گئی۔(سیر أعلام النبلاء: 5/220)

سلف میں سے کسی کا قول ہے: مَاصَلَّیْتُ صَلَاۃً اِلَّا وَاشْتَقْتُ اِلٰی مَا بَعْدَ ھَا۔''جب میں ایک نماز سے فارغ ہوجاتا ہوں تو دوسری نماز کی یاد مجھے ستانے لگتی ہے''۔

قیام اللیل: رات میں بیدار ہو کر عبادت کرنا بہت ہی دشوار کام ہے، مگر اللہ کے نیک بندوں کو

اس میں کچھ عجیب ہی سرور ملتا ہے۔حضرت ابوالدرداءؓ نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کو تہجد پڑھائی۔ تقریباً ایک چوتھائی قرآن کی تلاوت کی۔نماز سے فارغ ہوئے تو بعض ساتھیوں نے کہا: لَقَدْ خَفَّفْتَ بِنَا اللَّيْلَةَ۔ ''آج آپ نے بہت ہی مختصر نماز پڑھائی''۔(سیر اعلام النبلاء: 4/255)

سلف میں سے کسی کا قول ہے: جب رات ہوتی ہے تو مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں میری زندگی کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہے۔میں رات کی تنہائی میں اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہوں اور اس کی عبادت میں اپنا وقت صرف کرتا ہوں۔(طریق الھجرتین لابن القیمؒ: 321)

مبارک بن فضالہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ثابت بنانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔وہ کہنے لگے: میرے بھائی! (طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے) میں نہ رات میں تہجد پڑھ سکا، نہ آج روزہ رکھ سکا اور نہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دینی مجلس میں شریک ہو سکا۔پھر کہتے ہیں: اَللّٰهُمَّ إِذَا حَبَسْتَنِيْ عَنْ ذٰلِكَ فَلَا تَدَعْنِيْ فِي الدُّنْيَا سَاعَةً۔''پروردگار! اگر میں خیر کے ان کاموں کو انجام نہ دے سکوں تو پھر مجھے دنیا میں ایک لمحے کے لیے بھی زندہ مت رکھنا''۔(سیر أعلام النبلاء: 5/225)

حضرت علقمہ بن مرثدؒ فرماتے ہیں کہ جب عامر بن قیس کی موت کا وقت قریب ہوا تو رونے لگے: کسی نے سبب دریافت کیا تو کہنے لگے: وَاللّٰهِ مَا أَبْكِيْ جَزَعًا مِنَ الْمَوْتِ وَلَا حِرْصًا عَلٰى دُنْيَاكُمْ رَغْبَةً فِيْهَا وَلٰكِنْ أَبْكِيْ عَلٰى ظَمَأِ الْهَوَاجِرِ وَقِيَامِ لَيْلِ الشِّتَاءِ۔(سیر أعلام النبلاء: 4/19) ''اللہ کی قسم! نہ میں موت سے گھبراتا ہوں اور نہ مجھے دنیا سے رخصت ہونے کا غم ہے، بل کہ مجھے اس بات پر افسوس ہو رہا ہے کہ اب میرے روزوں کا اور ٹھنڈی راتوں میں تہجد کی نماز پڑھنے کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا''۔

(۲) تلاوتِ قرآن کی لذت: قرآن، اللہ کا کلام ہے، جس کی تاثیر اور حلاوت کی گواہی دشمنوں نے بھی دی ہے۔آج ہمارے دل اس کی لذت سے خالی ہیں تو اس کی وجہ حضرت عثمانؓ یوں بیان کرتے ہیں: لَوْ طَهُرَتْ قُلُوْبُنَا لَمَا شَبِعَتْ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ۔''اگر ہمارے دل پاک ہوتے تو کلامِ الٰہی کی لذت سے کبھی سیر نہیں ہوتے''۔(الاسماء والصفات للبیھقی: باب ماروی عن الصحابۃ والتابعین)

خود حضرت عثمانؓ کی زندگی اس کا عملی ثبوت ہے۔دشمنوں نے ناحق الزام لگا کر آپؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور ایک دن دیوار پھاند کر آپ کے گھر میں داخل ہوئے اور آپؓ پر حملہ کر دیا، تو اس آزمائشی

وقت میں بھی آپؓ پورے اطمینان کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے۔اسی حالت میں دشمنوں نے آپ کو قتل کر دیا۔

(۳) ذکر الٰہی کی لذت: ذکر الٰہی، اللہ سے تعلق اور اس کے تقرب کی علامت ہے۔جو جس قدر اللہ کا ذکر کرے گا اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا۔ذکر الٰہی کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل کو سکون واطمینان اور لذت وسرور حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِیۡنَ آمَنُوۡا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُھُمۡ بِذِکۡرِاللّٰہِ اَلَا بِذِکۡرِاللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ۔(الرعد:28)''جولوگ ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے''۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپؒ نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد ذکر میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ دن کا آدھا حصہ گزر گیا۔اس کے بعد آپؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ھٰذِہٖ غَدۡوَتِیۡ وَلَوۡلَمۡ اَتَغَدَّ ھٰذَاالۡغَدَاءَ لَسَقَطَتۡ قُوَّتِیۡ۔''یہ میری غذا ہے۔اگر میں یہ غذا نہ کھاؤں تو کمزور ہو جاؤں گا''۔(الوابل الصیب:93)

(۴) انفاق فی سبیل اللہ کی لذت: اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔حقیقی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنی پسندیدہ چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔اللہ کے نیک بندے اللہ کی راہ میں اپنی قیمتی اور پسندیدہ چیزوں کو خرچ کرکے خوشی محسوس کرتے تھے۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آکر کہنے لگا: فلاں آدمی کا ایک باغ ہے۔میں وہاں اپنی دیوار قائم کرنا چاہتا ہوں۔آپ اسے حکم دیجیے کہ وہ مجھے یہ جگہ دے دے، تاکہ میں اپنی دیوار کھڑی کرسکوں۔نبی کریم ﷺ نے متعلقہ شخص سے کہا کہ جنت میں ایک درخت کے بدلے تم اس کو یہ کھجور کا درخت دے دو۔اس نے انکار کر دیا۔جب حضرت ابوالدحداحؓ کو معلوم ہوا تو وہ اس شخص کے پاس گئے اور فرمایا: اپنا باغ میرے باغ کے عوض فروخت کردو۔اس نے خوشی خوشی یہ سودا منظور کرلیا۔حضرت ابوالدحداحؓ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ یہ باغ اس شخص کو دے دیجیے۔میں نے یہ باغ اس کے مالک سے خرید لیا ہے۔یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے بار بار فرمایا: کَمۡ مِنۡ عَذۡقٍ رِدَاحٍ لِاَبِی الدَّحۡدَاحِ فِی الۡجَنَّةِ ۔''ابوالدحداح کے لیے جنت میں بے شمار کھجور کے

خوشے ہیں''۔ جنت کا یہ سودا کرنے کے بعد وہ اپنے باغ کے پاس پہنچے۔ باہر ہی سے اپنی بیوی کو آواز دی کہ باغ سے نکل آؤ۔ میں نے اسے جنت میں ایک باغ کے بدلے فروخت کر دیا ہے۔ فرماں بردار بیوی نے کہا: اے ابوالدحداح! تم نے بڑا قیمتی سودا کیا''۔ (صحیح ابن حبان: ذکر ابی الدحداح الانصاری)

(۵) طلبِ علم کی لذت: طلب علم کی راہ میں اسلاف نے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اس راہ میں انھوں نے ہر طرح کی مشقتیں برداشت کیں۔ علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: لَقَدْ كُنْتُ فِيْ حَلَاوَةِ طَلَبِ الْعِلْمِ أَلْقٰى مِنَ الشَّدَائِدِ مَا هُوَ أَحْلٰى عِنْدِيْ مِنَ الْعَسَلِ۔ (صید الخاطر: 177)

''مجھے طلبِ علم کی راہ میں بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ یہ تکلیفیں میرے نزدیک شہد سے زیادہ لذیذ ہیں۔ طالبِ علمی کے دور میں میں سوکھی روٹیاں لے کر گھر سے نکلتا۔ نہرِ عیسی کے کنارے بیٹھ کر یہ سوکھی روٹی کھا کر پانی پی لیتا''۔

امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ (علم و) ادب سے آپ کا شغف کیسا ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا: ''جب میں کوئی نیا حرف سنتا ہوں تو میری تمنا ہوتی ہے کہ میرے جسم کے تمام اعضاء کو بھی کان ہوتے، تاکہ وہ بھی اس کی لذت سے لطف اندوز ہوں''۔ (مناقب الشافعی للبیھقی: 2/143,144)

یہ ہے ایمان اور نیک اعمال کی لذت، جس میں دنیوی لذتوں سے کہیں زیادہ لذت ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اِنَّ فِی الدُّنْيَا جَنَّةً مَنْ لَمْ يَدْخُلْهَا لَمْ يَدْخُلْ جَنَّةَ الْآخِرَةِ۔ (مدارج السالکین: 454) ''دنیا میں ایک جنت ہے۔ جو اس جنت میں داخل نہیں ہوا، وہ آخرت کی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا''۔

دنیا دار لوگ دنیا کی عارضی لذتوں کے مزے لوٹ رہے ہیں، مگر وہ حقیقی لذت سے محروم ہیں۔ اسی سلف صالحین کہا کرتے تھے: مَسَاكِيْنُ أَهْلِ الدُّنْيَا خَرَجُوْا مِنْهَا وَمَا ذَاقُوْا أَطْيَبَ مَا فِيْهَا۔ ''یہ دنیا دار بڑے قابلِ رحم ہیں۔ وہ دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ دنیا کی سب سے عمدہ چیز کی لذت سے محروم رہے۔ پوچھا گیا: وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: مَحَبَّةُ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَمَعْرِفَتُهُ وَذِكْرُهُ۔ ''اللہ کی معرفت، اس کی محبت اور اس کا ذکر''۔ (الجواب الکافی: 123)

یہ حقیقی لذت اللہ کے نیک بندوں کو حاصل تھی۔ محمد بن حسن شیبانیؒ فرماتے ہیں: لَوْ يَعْلَمُ الْمُلُوْكُ وَأَبْنَاءُ الْمُلُوْكِ مَا نَحْنُ فِيْهِ مِنَ السَّعَادَةِ لَجَالَدُوْنَا عَلَيْهَا بِالسُّيُوْفِ۔ ''دنیا میں ہمیں

جو عیش وسرور اور سعادت ولذت حاصل ہے، اگر یہ بادشاہوں اور شہزادوں کو معلوم ہو جائے تو وہ اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے ہمارے خلاف تلواریں سونت لیتے''۔ (الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ ،للعلامۃ صدیق حسن خان)

یہ وہ لذت ہے، جسے نہ چور چُرا سکتا اور نہ دشمن چھین سکتا ہے۔ علامہ بن تیمیہؒ فرمایا کرتے تھے: مَا يَفْعَلُ أَعْدَائِيْ بِيْ. أَنَا جَنَّتِيْ وَبُسْتَانِيْ فِيْ صَدْرِيْ ۔أَيْنَمَا حَلَلْتُ فَهِيَ مَعِيْ .اِنْ قَتَلُوْنِيْ فَقَتْلِيْ شَهَادَةٌ وَاِنْ نَفَوْنِيْ مِنْ بَلَدِيْ فَسِيَاحَةٌ وَاِنْ حَبَسُوْنِيْ فَحَبْسِيْ خَلْوَةٌ ۔''میرے یہ دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میری جنت اور میرا باغ تو میرے سینے میں ہے۔ میں جہاں بھی جاؤں گا، وہ میرے ساتھ ہوں گے۔ (ان کو وہ مجھ سے چھین نہیں سکتے) اگر وہ قتل کر دیں تو مجھے شہادت کا عظیم رتبہ ملے گا۔ اگر وہ جلاوطن کر دیں تو میں رب کی وسیع کائنات میں سیر وتفریح کروں گا اور اگر وہ قید کر دیں تو مجھے خلوت اور تنہائی نصیب ہو گی، جس میں میں یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کروں گا''۔

اس لذت کو پانے کے لیے مجاہدہ اور مسلسل کوشش ضروری ہے۔ کوئی بھی کام محنت اور مشقت سے خالی نہیں۔ مگر جب انسان کو کسی کام سے لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اس تکلیف اور مشقت کے باوجود ایک طرح کی لذت اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ یہی حال ایمان اور اعمالِ صالحہ کا بھی ہے۔ حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں: كَابَدْتُ الصَّلَاةَ عِشْرِيْنَ سَنَةً وَتَنَعَّمْتُ بِهَا عِشْرِيْنَ سَنَةً ۔''مجھے نماز کا پابند بننے کے لیے بیس سال محنت کرنی پڑی ۔اس کے بعد نماز میں مجھے جو لذت وسرور حاصل ہوا، اس کا لطف میں آئندہ بیس سال تک اٹھاتا رہا''۔ (حلیۃ الأ ولیاء: 2/321)

عبادتوں کی لذت کو پانے کے لیے گناہوں کو ترک کرنا ضروری ہے۔ وُہیب بن وردؒ سے پوچھا گیا: هَلْ يَجِدُ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ يَعْصِي اللّٰهَ ؟ " کیا گناہ گار ایمان کی لذت کو پا سکتا ہے؟ آپؒ نے فرمایا: لَا، وَلَا مَنْ هَمَّ بِالْمَعْصِيَةِ۔ "نہیں، اور نہ ہی وہ شخص جو معصیت کا ارادہ کرتا ہے''۔ (فتح الباری لابن رجب: 1/46)

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: كَمَا لَا يَجِدُ الْجَسَدُ لَذَّةَ طَعَامٍ عِنْدَ سَقَمِهِ كَذٰلِكَ لَا يَجِدُ الْقَلْبُ حَلَاوَةَ الْعِبَادَةِ مَعَ الذُّنُوْبِ ۔''جس طرح بیماری کی وجہ سے جسم عمدہ چیزوں کی لذت محسوس نہیں کرتا اسی طرح گناہوں کے ساتھ دل عبادتوں کی لذت محسوس نہیں کرتا''۔ (ایضًا)

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: سَقَمُ الْجَسَدِ بِالْأَوْجَاعِ وَسَقَمُ الْقُلُوْبِ بِالذُّنُوْبِ فَكَمَا لَايَجِدُ الْجَسَدُ لَذَّةَ الطَّعَامِ عِنْدَ سَقَمِهٖ فَكَذٰلِكَ الْقَلْبُ لَايَجِدُ حَلَاوَةَ الْعِبَادَةِ مَعَ الذُّنُوْبِ۔ ''جسم چوٹ لگنے سے بیمار ہوجاتا ہے، اسی طرح دل گناہوں کی وجہ سے بیمار ہوجاتا ہے۔ جس طرح ایک بیمار کو لذیذ اور مزے دار چیز بھی بدمزہ لگتی ہے، اسی طرح گناہ گار کو عبادتوں میں کوئی لذت محسوس نہیں ہوتی''۔ (ذم الھویٰ: 68)

اگر ہمیں عبادتوں میں لذت نہیں محسوس ہورہی ہے یا کوشش کے باوجود عبادتوں میں کوتاہی ہورہی ہے تو ممکن ہے اس کا سبب ہمارے گناہ ہوں۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں: حُرِمْتُ قِيَامَ اللَّيْلِ خَمْسَةَ أَشْهُرٍ بِذَنْبٍ أَذْنَبْتُهٗ۔ ''میں اپنے ایک معمولی گناہ کی وجہ سے پانچ مہینے تک قیام اللیل سے محروم رہا۔ کسی نے پوچھا کہ وہ گناہ کیا تھا؟ آپؒ نے فرمایا: میں نے ایک شخص کو اللہ کے دربار میں گڑگڑاتے ہوئے دیکھا تو دل ہی دل میں کہنے لگا کہ یہ دکھاوے کے لیے رو رہا ہے''۔ (احیاء علوم الدین: 2/200)

کسی نے ابراہیم بن ادہمؒ سے پوچھا: میں تہجد کی نماز کے لیے اٹھ نہیں پاتا ہوں، کوئی سبیل بتائیے۔ آپؒ نے فرمایا: لَاتَعْصِهٖ بِالنَّهَارِ وَهُوَ يُقِيْمُكَ بَيْنَ يَدَيْهِ فِي اللَّيْلِ۔ فَإِنَّ وُقُوْفَكَ بَيْنَ يَدَيْهِ فِي اللَّيْلِ أَعْظَمُ الشَّرَفِ وَالْعَاصِيْ لَايَسْتَحِقُّ ذٰلِكَ الشَّرَفَ۔ ''دن میں اپنے رب کی نافرمانی مت کرو، وہ تمھیں رات میں اپنے دربار میں کھڑے ہونے کے لیے بیدار کرے گا۔ کیوں کہ رات میں اللہ کے دربار میں کھڑے ہونا بڑا اشرف ہے۔ گناہ گار اس شرف کو پا نہیں سکتا''۔ (تنبیہ المغترین للشعرانی)

بروں کی صحبت بھی عبادتوں کی لذت پانے میں اہم رکاوٹ ہے۔ حضرت احمد بن حربؒ فرماتے ہیں: عَبَدْتُّ اللّٰهَ خَمْسِيْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ حَلَاوَةَ الْعِبَادَةِ حَتّٰى تَرَكْتُ ثَلَاثَةَ أَشْيَاءَ، تَرَكْتُ رِضَا النَّاسِ حَتّٰى قَدَرْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِالْحَقِّ وَتَرَكْتُ صُحْبَةَ الْفَاسِقِيْنَ حَتّٰى وَجَدْتُّ صُحْبَةَ الصَّالِحِيْنَ وَتَرَكْتُ حَلَاوَةَ الدُّنْيَا حَتّٰى وَجَدْتُ حَلَاوَةَ الْآخِرَةِ۔ ''پچاس سال میں نے گزار دیے، مگر مجھے عبادت کی لذت نصیب نہیں ہوی۔ یہاں تک کہ مجھے تین چیزیں ترک کرنی پڑیں۔ ۱۔ لوگوں کی خوشامدی کو ترک کردیا، تاکہ حق بول سکوں۔ ۲۔ بُروں کی صحبت کو ترک کردیا، تاکہ

نیک لوگوں کی صحبت کا مزہ پاسکوں۔۳۔دنیوی لذتوں کو ترک کر دیا،تاکہ آخرت کی لذت کو پاسکوں‘‘۔
(سیر اعلام النبلاء:11/34)

دنیوی لذتوں اور اخروی لذتوں میں بڑا فرق ہے۔دنیوی چیزوں کی لذت میں بتدریج کمی واقع ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ ختم ہوجاتی ہے، جب کہ ایمان اور عمل صالح کی لذت کبھی ختم نہیں ہوتی، بل کہ اس میں بتدریج اضافہ ہوتا ہے۔جب اللہ کے رسول ﷺ کا دعوتی خط ہرقل کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ کی صداقت معلوم کرنے کے لیے اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اگر ہمارے بازار میں عرب کا کوئی تجارتی قافلہ ہو تو اسے حاضر کرو۔درباریوں نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو ہرقل کے دربار میں حاضر کیا۔ہرقل نے ابوسفیان سے رسول اکرم ﷺ اور دین اسلام کے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ایک سوال اس نے یہ کیا کہ محمد کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے یا کمی واقع ہو رہی ہے؟ابوسفیان نے کہا:اضافہ ہو رہا ہے۔اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے ہرقل کہتا ہے : فَكَذٰلِكَ اَلْاِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبُ لَايُسْخِطُهُ أَحَدٌ ۔’’ایمان کا کردار ایسا ہی ہوتا ہے۔جب اس کی لذت اور مٹھاس کسی دل میں داخل ہوتی ہے تو نکلتی نہیں، بل کہ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔(بخاری:باب دعاء النبی الی الاسلام والنبوۃ،وفتح الباری:1/49)

ایمان اور اعمال صالحہ کی اس لذت سے آج ہمارے دل ناآشنا ہیں۔ہمیں چاہیے کہ ہم اپنا جائزہ لیں اور اپنے ایمان اور اعمال کی اصلاح کی فکر کریں، تاکہ ہم بھی ان کی لذت کو پاسکیں۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦✦✦

تنہائی میں حسنِ عمل کی فضیلت

اسلام میں اخلاص کی بڑی اہمیت ہے۔کسی بھی عمل کی قبولیت کے لیے یہ بنیادی شرط ہے۔اس کے بغیر وہ عمل دربارِالٰہی میں شرفِ قبولیت نہیں پاتا۔نیتوں میں اخلاص پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اس کے لیے مجاہدۂ نفس کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں:

''مجھے اپنی نیت کی اصلاح کرنے اور اخلاص پیدا کرنے میں بیس سال لگے''۔

عمل میں اخلاص پیدا کرنے کے بہت سے ذرائع ہیں۔ان میں سے ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ بعض اعمال لوگوں کی نظروں سے بچ بچا کر تنہائی میں انجام دیے جائیں۔

تنہائی میں نیک عمل کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور تین قسم کے لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔(جن سے محبت کرتا ہے، وہ یہ ہیں) ایک وہ آدمی جو اپنے لشکر کے ساتھ دشمنوں سے مقابلے کے لیے نکلے اور ان کے سامنے سینہ سپر ہو جائے، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے، یا اس کے ساتھیوں کو فتح مل جائے۔دوسرا وہ جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا۔سفر طویل ہوا تو ان کی خواہش ہوی کہ شام کے وقت کسی علاقے میں پڑاؤ کریں۔چناں چہ انھوں نے پڑاؤ کیا تو یہ شخص ان سے الگ ہو کر نماز میں مصروف ہو گیا، یہاں تک کہ جب کوچ کا وقت ہوا تو سب کو بیدار کیا۔تیسرا وہ شخص جس کو اس کا پڑوسی تکلیف دیتا ہے مگر وہ اس کی تکلیف پر صبر کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ موت ان کے درمیان جدائی پیدا کر دیتی ہے۔اور وہ تین آدمی جنھیں اللہ پسند نہیں کرتا، یہ ہیں: وہ تاجر جو قسمیں کھاتا ہے، وہ فقیر جو تکبر کرتا ہے اور وہ بخیل جو احسان جتلاتا ہے''۔(الجامع الصغیر:3074)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ ۔(ابوداؤد: باب رفع الصوت بالقرآن فی صلاۃ اللیل) ''قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے کرنے والا اعلانیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے

اور تنہائی میں اور آہستہ تلاوت کرنے والا خفیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے''۔

تنہائی کی عبادت، اقوالِ سلف کی روشنی میں : اسلاف کرامؒ فرائض اور واجبات کے سوا تمام اعمال تنہائی میں انجام دینے کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّكُوْنَ لَهُ خَبْأٌ مِّنْ عَمَلٍ صَالِحٍ فَلْيَفْعَلْ۔(الزھد لابن مبارک:۳۹۲/۱) ''تم میں سے جو اپنے نیک اعمال کو لوگوں کی نظروں سے چھپا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ ایسا کرے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: مَنْ صَلّٰى صَلَاةً عِنْدَ النَّاسِ لَايُصَلِّيْ مِثْلَهَا اِذَا خَلَا فَهِيَ اِسْتِهَانَةٌ اِسْتَهَانَ بِهَا رَبَّهُ ۔(مجلۃ البیان) ''جو شخص لوگوں کی موجودگی میں نماز کا ایسا اہتمام کرے جس طرح کا اہتمام تنہائی میں نہ کرے تو گویا اس نے اپنے رب کی توہین کی''۔

حضرت مسلم بن یسارؒ فرماتے ہیں: مَا تَلَذَّذَ الْمُتَلَذِّذُوْنَ بِمِثْلِ الْخَلْوَةِ بِمُنَاجَاةِ اللّٰهِ ۔ (کیف تتحمس لقیام اللیل لابی القعقاع، محمد بن صالح آل عبداللہ:15) ''تنہائی میں اللہ سے سرگوشی کرنے کی جو لذت ہے، ایسی لذت کسی اور چیز میں نہیں ہے''۔

حضرت ابوحازم سلمۃ بن دینارؒ فرماتے ہیں: أَخْفِ حَسَنَتَكَ كَمَا تُخْفِيْ سَيِّئَتَكَ ۔(البیہقی، فی شعب الایمان) ''اپنی نیکیوں کو اسی طرح چھپاؤ جیسے اپنے گناہوں کو چھپاتے ہو''۔

حضرت خریبیؒ فرماتے ہیں: كَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ أَنْ يَّكُوْنَ لِلرَّجُلِ خَبِيْئَةٌ مِّنْ عَمَلٍ صَالِحٍ لَا تَعْلَمُ بِهِ زَوْجَتُهُ وَلَا غَيْرُهَا ۔(سیر اعلام النبلاء: ج۶/۳۷۸) ''اسلافِ کرامؒ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ آدمی اپنے نیک اعمال اس طرح مخفی رکھے کہ نہ تو اس کی بیوی کو اس کی خبر ہو اور نہ کسی اور کو''۔

امام مسروقؒ فرماتے ہیں: اِنَّ الْمَرْءَ لَحَقِيْقٌ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ مَجَالِسُ يَخْلُوْ فِيْهَا يَذْكُرُ فِيْهَا ذَنْبَهُ فَيَسْتَغْفِرُ مِنْهَا ۔(الزھد لاحمد:۱۳۵) ''انسان کی کچھ مجلسیں ایسی ہونی چاہئیں جن میں وہ تنہا ہو کر اپنے گناہوں کو یاد کرے اور اللہ سے مغفرت طلب کرے''۔

فرائض اور واجبات کو لوگوں کی موجودگی میں ہی ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ مثلاً: فرض نماز مسجد میں حاضر ہو کر لوگوں کے ساتھ جماعت کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے، مگر نفل عبادات تنہائی میں ادا کرنا بہتر ہے۔ یہی انبیاء کرام اور سلف صالحین کا طریقہ ہے۔ حضرت داؤدؑ، حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ نے نفل عبادات کے لیے اپنے گھر میں ایک جگہ کو مخصوص کر رکھا تھا، جسے قرآن مجید میں ''محراب''، یعنی

عبادت گاہ'' کہا گیا ہے، جہاں وہ اکثر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنی ساری نفل نمازیں گھر ہی میں ادا فرمایا کرتے تھے۔

دعا بھی ایک ایسی عبادت ہے، جس میں تنہائی مقصود ہے۔اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔(الاعراف:55)''تم اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر بھی اور چپکے چپکے بھی''۔

حضرت زکریاؑ کی دعا کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:اِذْ نَادىٰ رَبَّهٗ نِدَاءً خَفِيًّا ۔(مریم:3) ''جب کہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی''۔

صدقات وخیرات میں بھی عام طور پر ریاکاری کا جذبہ پایا جاتا ہے،اس لیے لوگوں کی نظروں سے بچ کر خفیہ طریقے سے صدقہ کرنے کی ترغیب دی گئی۔صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے،اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رات کے اندھیرے میں صدقے کا مال لے کر نکلا(تاکہ کوئی اس کی اس نیکی کو نہ دیکھے)،راستہ میں ایک آدمی نظر آیا،اپنا مال اس کو دے دیا،صبح ہوی تو لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ کسی نے چور کو اپنا مال صدقہ کیا،(اسے بڑا افسوس ہوا،وہ دوسری رات پھر اپنا مال لے کر نکلا)ایک عورت غریب معلوم ہوی تو چپکے سے اس کے ہاتھ میں اپنا مال رکھ دیا۔اتفاق سے وہ عورت زانیہ نکلی۔لوگ چہ می گوئیاں کرنے لگے کہ آج رات کسی نے ایک زانیہ کو اپنا مال صدقہ کیا۔ صدقہ کرنے والے کو ایک رات خواب میں ایک شخص آ کر کہا:تم نے چور پر جو صدقہ کیا ہے،ہوسکتا ہے کہ وہ چوری سے باز آئے،اور جو صدقہ تم نے ایک زانیہ پر کیا ہے،ہوسکتا ہے کہ وہ زنا سے باز آئے۔

تنہائی میں نیکی کرنا،نیکی کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہے۔اسی لیے اسلافِ کرامؒ تنہائی میں عمل کرنے کو پسند کرتے تھے۔محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے اللہ والوں کو دیکھا ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ ایک ہی تکیہ پر سر رکھ کر سوتے۔اللہ کی خشیت سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے،مگر ان کی بیوی کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

سلف صالحین اس بات کا اہتمام کیا کرتے تھے کہ ان کو کوئی قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نہ دیکھے۔ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب ''صفوۃ الصفوۃ'' میں ذکر کیا ہے کہ مریۃ الربیع بنت خثیم فرماتی ہیں: كَانَ عَمَلُ الرَّبِيْعِ كُلُّهٗ سِرًّا اِنْ كَانَ لَيَجِيْءُ الرَّجُلُ وَقَدْ نَشَرَ الْمُصْحَفَ فَيُغَطِّيْهِ بِثَوْبِهٖ ۔(حلیۃ

الاولیاء لابی نعیم: حدیث مقطوع،1715)''ربیع ساری عبادتیں لوگوں کی نظروں سے بچ کر کرتے۔ اگر دورانِ تلاوت کوئی شخص ملاقات کے لیے آجاتا تو فوراً مصحف پر کپڑا ڈال دیتے، تاکہ آنے والے کو معلوم نہ ہو کہ وہ تلاوت کر رہے تھے''۔

امام ذہبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ ایوب سختیانیؒ پوری رات تہجد میں اور آہ وزاری میں گزار دیتے، اور اپنے اس عمل کو لوگوں سے مخفی رکھتے۔ جب صبح ہوتی تو اپنی آواز اس طرح بلند کرتے کہ گویا ابھی ابھی بیدار ہو رہے ہیں۔(تذکرۃالحفاظ للذھبی: ج۱/۱۳۱)

محمد بن قاسمؒ کہتے ہیں کہ میں محمد بن اسلم کی صحبت میں بیس سال رہا۔ جمعہ کی دو رکعت سنت کے علاوہ کوئی اور نفل نماز پڑھتے ہوے میں نے انھیں نہیں دیکھا۔ میں نے انھیں کئی مرتبہ قسم کھا کر کہتے ہوے سنا: لَوْ قَدَرْتَ أَنْ أَتَطَوَّعَ حَيْثُ لَايَرَانِيْ مَلَكَايَ لَفَعَلْتُ خَوْفًا مِّنَ الرِّيَاءِ۔''اگر میرے بس میں ہوتا تو میں نفل نمازیں ایسی جگہ پڑھتا کہ میرا نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ ہو، تاکہ ریا کاری سے بچ سکوں''۔(سیر اعلام النبلاء، ج:12)

حضرت ابن ابی علیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد بن ابی ہندؒ نے چالیس سال تک اس طرح روزہ رکھا کہ خود ان کے گھر والوں کو اس کی خبر نہیں ہوی۔ ان کا معمول تھا کہ وہ گھر سے اپنا کھانا لے کر نکلتے، اور راستے میں کسی غریب کو دے دیتے۔ گھر والے سمجھتے کہ وہ کھا چکے ہیں۔

حضرت علی بن حسینؒ غذا کا تھیلا لے کر رات کی تاریکی میں گھر سے نکلتے اور غریبوں کو تلاش کر کے ان پر صدقہ کرتے۔ پھر فرماتے: اِنَّ الصَّدَقَةَ فِيْ سَوَادِ اللَّيْلِ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ۔(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم:)''رات کی تاریکی میں صدقہ کرنا اللہ کے غضب کو مٹا دیتا ہے''۔

حضرت ابن عائشہؒ کا بیان ہے کہ میرے والد نے فرمایا: میں نے اہل مدینہ کو کہتے ہوے سنا کہ جب حضرت علی بن حسین کا انتقال ہوا تو ہمارے گھروں میں مخفی طور پر صدقات وخیرات آنا بند ہو گئے''۔(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم:)

تنہائی میں عمل کرنے کے فوائد:

۱۔ لوگوں کی موجودگی میں کیے جانے والے عمل کے مقابلے میں تنہائی میں کیا جانے والا عمل زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ حضرت صہیب بن نعمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَضْلُ صَلَاةِ الرَّجُلِ فِیْ بَیْتِهٖ عَلٰی صَلَاتِهٖ یَرَاهُ النَّاسُ کَفَضْلِ الْفَرِیْضَةِ عَلَی التَّطَوُّعِ .(صحیح الترغیب والترھیب : ۴۳۸)''لوگوں کے درمیان پڑھی جانے والی نماز کے مقابلے میں گھر میں پڑھی جانے والی (نفل) نماز کو وہی فضیلت حاصل ہے جو فرض نماز کو نفل پر حاصل ہے''۔

مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔اس کے باوجود آپ ﷺ نے نفل نماز گھر میں پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اکرم ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أَلَاتَرَی اِلٰی بَیْتِیْ مَا أَقْرَبَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَأَنْ أُصَلِّیَ فِیْ بَیْتِیْ أَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ أَنْ أُصَلِّیَ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا أَنْ تَکُوْنَ صَلَاةً مَکْتُوْبَةً۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے،اس کے باوجود میں نماز گھر میں ادا کرنے کو پسند کرتا ہوں،سوائے فرض نماز کے''۔ (ابن ماجہ: باب ماجاء فی التطوع فی البیت)

۲۔تنہائی میں کیا جانے والا عمل گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے: صدقات وخیرات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔علانیہ صدقہ کرنے کے مقابلے میں خفیہ طور پر صدقہ کرنے کو بہتر اور گناہوں کے کفارے کا باعث بتایا گیا۔ارشاد الٰہی ہے:اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَیُکَفِّرُ عَنْکُمْ مِنْ سَیِّئَاتِکُمْ ۔(البقرۃ:271)''اگر تم صدقہ وخیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو،یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ تمھارے گناہوں کو مٹا دے گا''۔

۳۔عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا۔تنہائی میں عمل کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت کے دن اپنے عرش کے خصوصی سایے میں جگہ عطا فرمائے گا۔مشہور حدیث ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سات قسم کے لوگ ایسے ہیں،جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے سایے میں جگہ دے گا،جس دن کہ اس کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔ان میں سے دو خوش نصیب ایسے ہیں جو تنہائی میں نیک عمل کیا کرتے تھے۔ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوے۔ دوسرا وہ شخص جس نے اس قدر چھپا کر صدقہ کیا کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ سے جو خرچ کیا،اس کی خبر اس کے بائیں ہاتھ کو نہیں ہوی۔(مسلم: باب فضل اخفاء الصدقۃ)

۴۔تنہائی میں عبادت کرنے والے اللہ کے محبوب بندے ہیں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ۔ ’’اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو متقی اور پرہیزگار، لوگوں سے بے نیاز اور گم نام ہو۔(مسلم: کتاب الزھد)

۵۔تنہائی میں عبادت کرنے والوں کی دعاؤں کو اللہ تعالی رد نہیں کرتا۔محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں: میرا یہ معمول تھا کہ ہر رات نماز عشاء کے بعد مسجد نبوی کے ایک ستون کی آڑ میں عبادتوں میں مصروف ہو جاتا۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مدینہ میں قحط سالی لاحق ہوی۔لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر نمازِ استسقاء ادا کیا، اس کے باوجود بارش نہیں ہوی۔جب رات ہوی تو میں اپنے معمول کے مطابق مسجد نبوی میں داخل ہو کر عبادت میں مشغول ہو گیا۔اچانک ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔اپنا لباس بدل کر نماز ادا کیا، پھر ان الفاظ میں دعا کرنے لگا: أَیْ رَبِّ! خَرَجَ أَھْلُ حَرَمِ نَبِیِّكَ یَسْتَسْقُوْنَ فَلَمْ تَسْقِھِمْ ،فَأَنَا أُقْسِمُ عَلَیْكَ لِمَا سَقَیْتَھُمْ۔ ’’اے میرے رب! تیرے نبی کے شہر والوں نے تجھ سے بارش کے لیے دعا مانگی، مگر تو نے بارش نہیں برسائی۔میں تجھے تیری قسم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ تو بارش نازل فرما۔

ابن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں دل ہی دل میں کہنے لگا کہ شاید یہ کوئی پاگل ہے جو اس طرح گستاخانہ لہجے میں اللہ سے مانگ رہا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ابھی وہ شخص دعا سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ بجلی کی گرج سنائی دینے لگی۔پھر زوردار بارش ہونے لگی۔جب بارش نازل ہونے لگی تو اس نے اللہ کی ایسی تعریف بیان کی کہ میں نے ویسی تعریف کبھی نہیں سنی تھی۔پھر اس نے اپنا لباس تبدیل کیا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔صبح تک نماز میں مصروف رہا۔جب فجر کی اذان ہوی تو اس نے لوگوں کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔جب امام نماز سے فارغ ہوا تو وہ مسجد سے نکل گیا۔میں بھی اس کے پیچھے ہولیا مگر وہ لوگوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا، مجھے پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں چلا گیا؟

دوسری رات عشاء کے بعد معمول کے مطابق میں مسجد کے ایک ستون کی آڑ میں عبادت میں مصروف تھا کہ وہ شخص مسجد میں داخل ہوا اور اپنے کپڑے تبدیل کر کے عبادت میں مشغول ہو گیا۔رات بھر عبادت کرتا رہا۔جب صبح ہوی تو فجر کی نماز ادا کی اور مسجد سے نکل گیا۔میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔وہ چلتا رہا، یہاں تک کہ مدینہ کے ایک گھر میں داخل ہوا، جس کو میں پہچانتا تھا۔میں مسجد لوٹ آیا۔جب سورج طلوع ہوا تو اشراق کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں اس کے پاس آیا تو کیا دیکھتا ہوں

کہ وہ ایک موچی ہے، جو اپنے گھر کے باہر بیٹھ کر لوگوں کے جوتے چپل کی مرمت کر رہا ہے۔ وہ دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا اور کہنے لگا: مبارک ہو۔ اے ابوعبداللہ! کہیے! میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟ کیا آپ کے جوتے کی مرمت کرنی ہے؟ میں اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور اس سے کہا: کل رات مسجد میں تم ہی تو نہیں تھے؟ یہ سننا تھا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ غصے میں آکر کہنے لگا: اے ابن المنکدر! اس سے تم کو کیا لینا دینا؟ (ابن المنکدر کہتے ہیں کہ) میں فوراً وہاں سے نکل کر اپنے گھر چلا گیا۔ تیسری رات عشاء کی نماز کے بعد میں نے اسے مسجد میں نہیں پایا۔ مجھے بہت افسوس ہوا کہ یہ میں نے کیا کر دیا۔ صبح جب میں اس کے گھر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر کا دروازہ کھلا ہے اور گھر میں کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے مالکِ مکان سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگا کہ وہ کل شام ہی اپنا سارا سامان اپنے صندوق میں رکھ لیا اور یہاں سے چلا گیا۔ معلوم نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے؟ محمد بن منکدرؒ کہتے ہیں: فَمَا تَرَکْتُ بِالْمَدِیْنَۃِ دَارًا أَعْلَمُھَا اِلَّا طَلَبْتُہُ فِیْھَا فَلَمْ أَجِدْہُ ۔ ''میں نے مدینہ کے سارے گھروں میں اسے تلاش کیا مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آیا''۔

یہ ہے اللہ کے نیک بندوں کا حال۔ وہ اپنی عبادتیں لوگوں کی نظروں سے بچانے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ اور جب لوگوں کو ان کی عبادتوں کا حال معلوم ہو جاتا تو انھیں یہ گوارا نہ ہوتا کہ ان کے درمیان رہیں۔ یہی وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں، جن کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ کبھی رد نہیں کرتا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: اِنَّمَا یَنْصُرُ اللّٰہُ ھٰذِہِ الْأُمَّۃَ بِضَعِیْفِھَا بِدَعْوَتِھِمْ وَصَلَاتِھِمْ وَاِخْلَاصِھِمْ ۔ (نسائی: باب الاستنصار بالضعیف) ''اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد اس کے کمزوروں کی دعاؤں، ان کی عبادتوں اور اخلاص کی بدولت فرماتا ہے''۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے فرمایا: کیا میں تمھیں جنت کے بادشاہوں اور سرداروں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ انھوں نے فرمایا: ضرور بتلایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: رَجُلٌ ضَعِیْفٌ مُسْتَضْعِفٌ، ذُوْ طِمْرَیْنِ لَا یُؤْبَہُ لَہُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَأَبَرَّہُ ۔ ''وہ جو ناتواں ہو، اور لوگ بھی اسے کمزور سمجھتے ہوں، جو پھٹے پرانے دو چادریں پہنا ہوا ہو۔ اگر وہ اللہ کی قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم کو پورا کر دے''۔ (السلسلۃ الصحیحۃ)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ریاکاری سے بچائے اور اخلاصِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ کی خاطر کسی چیز کو ترک کرنے کا بدلہ

اس دنیا میں ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔انسان کو وسائلِ زندگی بھی وہی فراہم کرتا ہے، اور مختلف قسم کی پریشانیوں اور رکاوٹوں سے انسان کی آزمائش بھی وہی کرتا ہے۔اللہ کے نیک بندے دونوں ہی حالتوں میں اللہ سے راضی رہتے ہیں، اور اس کی ناراضی سے بچتے ہیں۔ جو لوگ اس کی ناراضی سے بچتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ تَرَكَ شَيْئًا لِلّٰهِ عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهُ ۔(مسند احمد، صحیح)''جو شخص اللہ کی خاطر کسی چیز کو ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر چیز عطا فرماتا ہے''۔

قرآن وحدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ جب اللہ کی خاطر کسی چیز کو ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے۔اس سلسلے کی چند مثالیں یہاں پیش کی جارہی ہیں:

ا۔اللہ کی خاطر اپنی پسندیدہ چیز کو ترک کر دینے کا بدلہ: جو لوگ اللہ کی خاطر اپنی پسندیدہ چیز کو ترک کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے۔حضرت سلیمانؑ اللہ کے بڑے نیک اور شکر گزار بندے تھے۔جہاد کے لیے عمدہ گھوڑے پال رکھے تھے۔ایک مرتبہ وہ ان کا معاینہ کر رہے تھے۔اس میں اتنا وقت صرف ہو گیا کہ ان کا شام کا مخصوص وظیفہ یا عصر کی نماز چھوٹ گئی۔انھیں اس کا بڑا صدمہ ہوا۔کہنے لگے:اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (ص:۳۲) ''میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ (آفتاب) چھپ گیا''۔ انھوں نے گھوڑوں کو دوبارہ حاضر کرنے کا حکم دیا اور انھیں اللہ کی راہ میں ذبح کر دیا۔(سورۂ ص:۳۳)

یہ نیکی اللہ کو بہت پسند آئی۔اللہ نے ان کے لیے ہوا کی صورت میں گھوڑوں سے زیادہ تیز رفتار سواری کا انتظام کیا:فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ۔(ص:۳۶)''تب ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا، جو اُن کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی تھی، جدھر وہ چاہتے تھے''۔

یہ ہوا صبح اور شام کے مختصر وقت میں ایک ایک مہینے کی مسافت طے کرتی تھی۔گویا آج

ہوائی جہاز سے انسان جو کام لیتا ہے، وہی کام معجزاتی طور پر حضرت سلیمانؑ ہَوا سے لیتے تھے۔ یہ بدلہ تھا اللہ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیز قربان کرنے کا۔

۲۔ سادگی اختیار کرنے کا بدلہ: جو لوگ اللہ کی خاطر سادگی اختیار کرتے ہیں، استطاعت اور حیثیت ہونے کے باوجود عمدہ اور قیمتی لباس نہیں پہنتے، اللہ تعالیٰ انھیں قیامت کے دن قیمتی لباس عطا فرمائے گا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ أَيِّ حُلَلِ الْإِيْمَانِ شَاءَ يَلْبَسُهُ۔ (صحیح: الترغیب والترہیب) ''جو شخص اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرتے ہوئے کسی (عمدہ) لباس کو ترک کر دے، حالاں کہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سارے لوگوں کے سامنے طلب کرے گا اور اسے اختیار دے گا کہ ایمان کے ان جوڑوں میں سے جو جوڑا چاہے پہن لے''۔

۳۔ معاف کرنا: جو لوگ بندوں سے عفو اور درگزر سے کام لیتے ہیں، تنگ دستی میں مہلت دیتے اور مجبوری میں معاف کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انھیں معاف فرمائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ وہ اپنے خادم سے کہا کرتا تھا: إِذَا أَتَيْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يَتَجَاوَزُ عَنَّا۔ اگر کوئی قرض واپس کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے معاف کر دو، ممکن ہے روزِ قیامت اللہ ہمیں معاف کر دے۔ (اس کی یہ ادا اللہ کو اس قدر پسند آئی کہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ (مسلم: باب فضل إنظار المعسر)

ایک دوسری روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے پوچھے گا: تم کیا نیکی لے آئے ہو؟ وہ کہے گا: میرے پاس کوئی نیکی نہیں، البتہ میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، اور اپنے خادم سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی مال دار مہلت طلب کرے تو اسے مہلت دے دو اور اگر کوئی تنگ دست قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے معاف کر دو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے تجھے معاف کر دیا۔ (نسائی: باب حسن المعاملۃ والرفق فی المطالبۃ)

۴۔ غصہ پر قابو پانا: جو لوگ غصے کو پی جاتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں قیامت کے دن اختیار دے گا کہ وہ جنت کی حوروں میں سے جسے چاہے اپنے لیے منتخب کر لیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى

يُـخَيِّـرَهُ مِنْ أَيِّ حُوْرِ الْعِيْنِ شَاءَ ۔(ابن ماجہ۔حسن)''جو شخص اپنے غصے کو پی جاتا ہے،حالاں کہ وہ اس کو نافذ کرنے پر قادر ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سارے لوگوں کے سامنے بلائے گا اور اسے حور عین میں سے جسے چاہے منتخب کرنے کا اختیار دے گا''۔

۵۔مصیبتوں پر صبر:مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بہتر بدلہ عطا کرتا ہے۔حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:''جس شخص کو پریشانی لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھے: اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْن. اَللّٰهُمَّ اجُرْنِیْ فِی مُصِيْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَيْرًامِّنْهَا (یعنی:ہم بے شک اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں،اے اللہ!اس مصیبت میں میری مدد فرما اور اس سے بہتر بدلا عطا فرما)تو اللہ تعالی اس مصیبت میں اس کی مدد کرتا ہے اور اس کو بہتر بدلے سے نوازتا ہے۔حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:جب میرے شوہر کا انتقال ہو گیا تو میں (اپنے دل میں) کہنے لگی:ابو سلمہؓ سے بہتر رفیقِ حیات کون ہو سکتا ہے جنھیں صحابیِ رسول ہونے اور سب سے پہلے (مدینہ کی طرف)ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہے،مگر اللہ تعالی نے میرے دل کو قرار عطا کیا۔میں یہ دعا پڑھتی رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے میرے لیے ابو سلمہؓ سے بہتر رفیق حیات کا انتظام کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کا پیغام بھیجا''۔(مسلم: كتاب الجنائز)

۶۔اللہ کے ہر فیصلے سے راضی رہنا: جو لوگ اللہ کے فیصلوں سے راضی ہوتے ہیں،شکوے شکایات نہیں کرتے ،اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو بہتر بدلہ عطا کرتا ہے۔حضرت ام سلیمؓ کے بیٹے بیمار ہو گئے۔اسی اثناء میں ان کے شوہر حضرت ابو طلحہ سفر پر روانہ ہو گئے۔جس دن وہ لوٹے،اسی دن بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ام سلیمؓ نے اپنے رشتہ داروں سے کہا کہ اس المناک حادثے کی اطلاع ابو طلحہؓ کو کوئی نہ دے۔میں ہی انھیں مطلع کروں گی۔جب ابو طلحہ گھر پہنچے تو انھوں نے بچہ کا حال دریافت کیا۔حضرت ام سلیمؓ نے کہا: پہلے سے بہتر حالت میں ہے۔پھر اپنے شوہر کے لیے انھوں نے کھانے کا انتظام کیا، زیب و زینت اختیار کی اور حقوقِ زوجیت بھی ادا کیے۔جب ام سلیمؓ کو محسوس ہوا کہ ابو طلحہؓ کی تکان دور ہو چکی ہے تو انھوں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ اگر کوئی آپ کے پاس کوئی چیز امانت رکھے اور واپس طلب کرنے کے لیے آئے تو آپ کیا کریں گے؟انھوں نے کہا:واپس لوٹانا ہو گا۔ام سلیمؓ نے فرمایا:یہ بچہ ہمارے پاس اللہ کی امانت تھا۔اللہ نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔بیٹے کی وفات پر صبر کرو اور ثواب کی

امید رکھو۔ حضرت ابوطلحہؓ بہت رنجیدہ ہوے۔ صبح ہوی تو انھوں نے سارا واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔ آپؐ نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کے لیے تمھاری اس رات میں برکت عطا فرمائے۔ چناں چہ ام سلیمؓ کو حمل قرار پایا اور (جب بچہ پیدا ہوا تو) آپؐ نے اس کے حق میں برکت کی دعا کی اور اس کا نام ''عبداللہ'' رکھا۔ (مسلم: باب من فضائل ام سلیم اُم اَنس بن مالک)

حدیث کے راوی سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ مجھے ایک انصاری نے بتایا کہ یہ بچہ جو اس رات کی صحبت سے پیدا ہوا، میں نے اس کے نو بچے دیکھے۔ (یہ صبر کا بدلہ تھا جو اللہ نے ام سلیمؓ کو عطا کیا۔)

۷۔ بدکاری سے باز رہنا: بدکاری سے باز رہنا صبر آزما کام ہے۔ خصوصًا اس وقت جب بدکاری کا موقع فراہم ہو اور اس راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اللہ کے جو بندے بدکاری کا موقع پانے کے باوجود محض اللہ کے خوف کی وجہ سے بدکاری سے باز رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بہت سے انعامات سے نوازتا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کے تین مسافروں کا واقعہ مشہور ہے، جنھوں نے بارش سے بچنے کے لیے ایک غار میں پناہ لی تھی، اور چٹان لڑکنے کی وجہ سے غار کا دہانا بند ہوگیا۔ اس مصیبت سے نجات کے لیے تینوں نے اپنے نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کی تھی۔ ان میں سے ایک نے یوں دعا کی: اے میرے رب! میری ایک چچیری بہن تھی، جو بڑی حسین تھی۔ میں اس سے اپنی ہوس مٹانا چاہا، مگر وہ اس وقت تک راضی نہیں ہوی، جب تک کہ میں نے اس کے لیے سو دینار کا انتظام نہ کیا۔ اور جب میں نے اس پر قابو پایا تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور ناجائز طریقے سے اپنی خواہش پوری نہ کر۔ میں وہاں سے ہٹ گیا (بدکاری سے باز رہا) اے اللہ! اگر میں نے یہ کام محض تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اس چٹان کو یہاں سے ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور چٹان کو وہاں سے ہٹا دیا۔ (مسلم: باب قصۃ اُصحاب الغار الثلاثۃ...)

۲۔ صاحبِ کرامت بناتا ہے۔ بدکاری کی دعوت خود عورت کی جانب سے ہو تو اس سے بچنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ یہ کام جتنا دشوار ہے، اس کا صلہ بھی اتنا ہی بڑا ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک شخص جریج کا واقعہ مشہور ہے، جو بڑے عبادت گزار تھے۔ ایک بدکار عورت کو ناجائز اولاد ہوی، تو اس نے جریج پر زنا کا الزام لگایا۔ لوگوں نے ان کی پٹائی کردی، اور ان کا گرجا گھر بھی ڈھا دیا۔ جب جریج کو اُن کے

ناکردہ جرم کی اطلاع ہوی تو انھوں نے اس بچے کو طلب کیا۔ دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی اور اس بچے سے پوچھا: بتا تو کس کی اولاد ہے؟ اس شیر خوار بچے نے کہا: میں فلاں چرواہے سے ہوں۔ یہ منظر دیکھ کر لوگوں کو یقین ہوگیا کہ جریج بے گناہ ہیں۔ انھیں بڑی شرمندگی ہوی اور جریج سے معافی چاہتے ہوے کہا کہ اگر تم چاہوتو ہم تمھارا گرجا گھر سونے کا بنا دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا: نہیں۔ میرا عبادت خانہ جیسے تھا، ویسا بنا دو، یہ میرے لیے کافی ہے۔ (الأدب المفرد: باب دعوۃ الوالدین)

۳۔ عزت و عروج عطا کرتا ہے: بدکاری سے باز رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نہ صرف دنیا میں عزت عطا کرتا ہے، بل کہ انھیں اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت بھی عطا کرتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے ملکۂ مصر کی دعوتِ بدکاری ٹھکرا دی اور اس کے نتیجے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں بادشاہت نصیب فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ۔ (سورۂ یوسف: ۵٦) ''اور اسی طرح ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف کے قدم جما دیے کہ وہ جہاں چاہے رہیں''۔

۴۔ قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا: بدکاری سے بچنے والوں کے لیے سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا۔ روزِ قیامت جن سات قسم کے آدمیوں کو عرشِ الٰہی کے نیچے جگہ نصیب ہوگی، ان میں سے ایک خوش قسمت وہ ہوگا جسے بڑے گھرانے کی حسین و جمیل عورت بدکاری کی دعوت دے تو وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (بخاری: باب الصدقۃ بالیمین)

غرض جب انسان اس دنیا میں اللہ کی خاطر کسی پسندیدہ چیز کو قربان کر دیتا ہے، کسی عیش کو ترک کر دیتا ہے، یا کسی گناہ سے باز رہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی اس نیکی کی قدر کرتا ہے، اور دونوں جہانوں میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے۔ موجودہ دور اس حیثیت سے بھی بڑا فتنے کا دور ہے کہ اس دور میں برائیوں اور گناہوں کا ماحول گرم ہے، دنیا داری اور عیش پسندی کی فضا عام ہے، بلکہ مادیت کا غلبہ اس قدر ہے کہ یہاں ہر چیز مادی نقطۂ نظر سے دیکھی اور پرکھی جاتی ہے۔ ان حالات میں ہر مسلمان کو چاہیے کہ دنیا کی خاطر آخرت کو برباد نہ کرے، اور آخرت کی کامیابی کے لیے دنیا کی عارضی

لذت سے اپنا دامن بچائے اور وقتی نقصان کو برداشت کرلے۔اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں رضائے الٰہی کا پاس ولحاظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

آخری عشرے کی فضیلت

رمضان کا آخری عشرہ پہلے دوعشروں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بڑے اجروثواب اور خیر و برکت والاعشرہ ہے۔ اس عشرے کی فضیلت شبِ قدر اور لیلۃ القدر کی وجہ سے ہے ،جس کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پوری ایک سورت نازل فرمائی۔

اس رات کومبارک رات اور قدر ومنزلت والی رات کہا گیا ہے۔''قدر'' کے ایک معنی تنگی کے ہیں،اس رات آسمان سے اس قدر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے زمین کی جگہ تنگ اور ناکافی ہوجاتی ہے۔مسند احمد کی روایت میں ہے:اس رات زمین میں فرشتے کنکریوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

اس رات فرشتوں کا نزول دوکاموں کے لیے ہوتا ہے۔**1**۔انسانوں کے ایک سال کے فیصلے لوح محفوظ سے لے کرنازل ہوتے ہیں۔**2**۔اس رات اللہ کے جو بندے عبادت اور ذکر میں مشغول ہوتے ہیں،ان کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں،اورانھیں سلامتی کی دعا کرتے رہتے ہیں۔(القدر:**4**)

اس رات کی عبادت کا ثواب ہزارمہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔سورۂ قدر میں فرمایا گیا:لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۔(القدر:**3**)''شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے''۔ شبِ قدر کی عبادت کی ایک فضیلت آپ ﷺ نے یہ بتائی کہ اس سے پچھلے چھوٹے موٹے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:مَنۡ قَامَ لَيۡلَةَ الۡقَدۡرِ اِيۡمَانًا وَاحۡتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِهِ ۔(بخاری:باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا ونیۃ)''جوشخص لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں''۔

جوشخص اس رات کے ثواب سے محروم رہا، یقیناً وہ بڑا بدنصیب ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے ،وہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا: اِنَّ هٰذَاالشَّهْرَ قَدْحَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ،مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْحُرِمَ الْخَيْرَكُلَّهُ وَلَايُحْرَمُ خَيْرَهَااِلَّامَحْرُوْمٌ ۔(ابن ماجہ: باب ماجاء فی فضل شھر رمضان) ''بے شک یہ (رمضان کا) مہینہ تم پر سایہ فگن ہو چکا ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور جو شخص اس سے محروم ہوا گویا وہ مکمل خیر سے محروم ہوا، اور اس رات کے خیر سے تو وہی محروم ہوسکتا ہے جس کے حق میں محرومی مقدر کر دی گئی ہو''۔

یہ رات ابتداء میں اللہ کے رسول ﷺ کو دکھائی گئی تھی ، بعد میں اس کی تعیین آپ ﷺ کے ذہن سے اٹھالی گئی، آپ ﷺ فرماتے ہیں: أُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِثُمَّ أُنْسِيْتُهَا ۔(مسلم: باب فضل لیلۃ القدر والحث علی طلبھا) ''مجھے لیلۃ القدر دکھلائی گئی تھی ، پھر بھلا دی گئی''۔

یہ تعیین آپ ﷺ کے ذہن سے کیوں اٹھالی گئی ،اس کا سبب بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ فرماتے ہیں: خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِفَتَلَاحىٰ فُلَانٌ وَ فُلَانٌ فَرُفِعَتْ ۔(بخاری: باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر لتلاحی الناس) ''میں تمھیں لیلۃ القدر کے بارے میں خبر دینے کے لیے نکلا، راستے میں فلاں فلاں مسلمان جھگڑ رہے تھے، جس کی وجہ سے یہ رات مجھ سے اٹھالی گئی''۔

پھر آپ ﷺ نے حکم دیا: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِفِى الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِمِنْ رَمَضَانَ ۔(بخاری: :باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر) ''لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو''۔ ایک اور روایت میں ہے: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِفِى الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِمِنْ رَمَضَان ۔ (بخاری: :باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر) ''شبِ قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو''۔

اب یہ رات کوئی متعین رات نہیں، بلکہ ہر سال بدلتی رہتی ہے، ضروری نہیں کہ ہر سال شبِ قدر ستائیسویں رات ہی ہو، جیسا کہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں ہے۔ خود رسول اکرم ﷺ کے

زمانے میں لیلۃ القدر مختلف راتوں میں آتی رہی، حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ لیلۃ القدر اکیسویں رات کو آئی، (ابوداوٗد: باب ماجاء فی لیلۃ القدر) عبداللہ بن انیسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا کہ ایک سال تیسویں رات آئی۔ (ابوداوٗد: باب ماجاء فی لیلۃ القدر) اورابی بن کعبؓ کی روایت سے معلوم ہوتا کہ ایک سال ستائیسویں رات کوآئی۔ (ابوداوٗد: باب ماجاء فی لیلۃ القدر) یہ سب صحیح روایات ہیں۔

لیلۃ القدر کا ثواب وہی شخص پاسکتا ہے جوآخری عشرے کی طاق راتوں میں جاگ کرعبادت کرے۔

اس رات کے اعمال : یہ رات صرف جاگنے کی رات نہیں، جیسا کہ عام لوگوں کا معمول ہے، اور نہ کھانے پینے، فضول باتوں میں وقت گزارنے، مٹھائی تقسیم کرنے اور مسجدوں کو سجانے کی رات ہے، بلکہ یہ عبادتوں کا اہتمام کرنے کی رات ہے۔

آپ ﷺ پوری رات عبادتوں میں گزاردیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَجْتَهِدُ فِی الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَایَجْتَهِدُ فِیْ غَیْرِہٖ ۔ آپ ﷺ آخری عشرے میں جس قدر محنت کیا کرتے تھے، اتنی محنت دیگر ایام میں نہیں کرتے تھے۔

2۔ گھر والوں کو بھی عبادت کی تلقین کرنی چاہیے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَہٗ وَأَحْیَا لَیْلَہٗ وَأَیْقَظَ أَھْلَہٗ ۔ (بخاری: باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان) ''جب آخری عشرہ شروع ہوجاتا تو آپ کمر کس لیتے، راتیں جاگ کر عبادتیں کرتے اور گھر والوں کو بھی (عبادتوں کے لیے) جگاتے''۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ایک رات آپ ﷺ بیدار ہوے اور کہنے لگے، سبحان اللہ۔ آج رات کتنے ہی فتنے نازل ہوے اور کتنے ہی (رحمت کے) خزانے نازل ہوے، کون ہے جو کمرے والیوں (ازواجِ مطہرات) کو بیدار کرے تا کہ وہ نمازیں پڑھیں۔ (بخاری: باب لایأتی زمان الا الذی بعدہ شر منہ) ایک اور روایت میں ہے، آپ ﷺ نمازوں میں مصروف رہتے، جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو حضرت عائشہؓ کو بیدار کرتے تا کہ وہ نمازیں

پڑھیں۔(ابوداؤد:باب من قال:المرأۃ لاتقطع الصلاۃ)

حضرت عمرؓ رات بھر عبادت میں مصروف رہتے ، جب رات کا آدھا حصہ گزر جاتا تو اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے اور کہتے :اَلصَّلَاۃَ ، اَلصَّلَاۃَ ۔(اٹھو) نماز ،نماز (پڑھو) پھر یہ آیت تلاوت کرتے :وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۔(طہ) اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس پر قائم رہیے۔(السنن الکبری:باب الترغیب فی قیام اللیل والاکثار من الصلاۃ)

3۔یہ رات دعاؤں کی رات ہے،اس رات اللہ تعالیٰ بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا:اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے تو میں کیا پڑھوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا پڑھا کرو:اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔(ابن ماجہ:باب الدعاء بالعفو والعافیۃ)

ان کے علاوہ اس رات بکثرت قرآن مجید کی تلاوت،نوافل کا اہتمام،ذکر واذکار کی پابندی بھی کرنی چاہیے۔

اعتکاف : رسول اکرم ﷺ اس رات کو پانے اور اس کا ثواب حاصل کرنے کے لیے اعتکاف بھی کیا کرتے تھے،جب آپ ﷺ کے ذہن سے اس رات کی تعیین اٹھالی گئی تو اس رات کو تلاش کرنے کے لیے آپ ﷺ نے رمضان کے پہلے ، پھر دوسرے پھر آخری عشرے کا اعتکاف کیا۔صحیح بخاری میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اس رات کو پانے کے لیے آپ ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف کیا،حضرت جبرئیلؑ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ ﷺ کو جس چیز کی تلاش ہے ، وہ تو آگے ہے،تو آپ ﷺ نے پھر دوسرے عشرے کا اعتکاف کیا،آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اس رات کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:فَمَنِ اعْتَكَفَ مَعِيْ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَالْأَوَاخِرِ ۔کہ جو شخص اس رات کو تلاش کرنے کے لیے اعتکاف کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ آخری عشرے کا اعتکاف کرے۔(بخاری ومسلم،مشکوۃ المصابیح: باب لیلۃ القدر،الفصل الاول) گویا اعتکاف لیلۃ القدر تلاش کرنے کی عبادت ہے۔

اعتکاف رسول اکرم ﷺ کی ان سنتوں میں سے ہے جن کی آپ ﷺ ہمیشہ پابندی کیا کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَکَفَ أَزْوَاجُهُ بَعْدَهُ۔(بخاری:باب الاعتکاف فی العشر الأواخر)''رسول اکرم ﷺ اپنی وفات تک (ہرسال) رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے۔آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بیویاں بھی اعتکاف کرتی رہیں''۔

اگر سفر کی وجہ سے اعتکاف چھوٹ جاتا تو دوسرے سال اس کی قضا کرتے تھے،حضرت انسؓ فرماتے ہیں:وَکَانَ إِذَا کَانَ مُقِیمًا اعْتَکَفَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ وَإِذَا سَافَرَ اعْتَکَفَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ عِشْرِیْنَ۔(الجامع الصغیر)''جب بھی آپ ﷺ حضر میں رہے،آپ ﷺ نے رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا اور جب رمضان میں سفر درپیش ہوا تو دوسرے سال بیس دن کا اعتکاف کیا''۔

اعتکاف کا مقصد : اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جتنی عبادتیں فرض کی ہیں،ان تمام کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل میں تقوی پیدا ہوجائے ۔اعتکاف کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کا دل ہر طرح کی آلودگیوں سے پاک ہو۔دل پاک ہوتو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے ۔جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:أَلَا إِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهُ........ أَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ۔(بخاری:باب فضل من استبرألدینہ)''سن لو!جس میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔اگر وہ درست ہوجائے تو سارا جسم درست ہوجاتا ہے۔سن لو!وہ دل ہے''۔

دل چار چیزوں سے سخت ہوتا ہے۔1۔زیادہ کھانے سے ۔2۔زیادہ بات چیت کرنے سے۔3۔زیادہ سونے سے۔4۔بلاضرورت دوست واحباب سے ملنے جلنے سے۔

رمضان المبارک کی عبادات (روزہ،تراویح اور اعتکاف) میں ان چاروں بیماروں کا علاج ہے۔آدمی روزہ رکھتا ہے تو فضول کھانے پینے سے پرہیز کرتا ہے،سحری کے لیے صبح جلد بیدار ہوتا ہے ،اور اپنی نیند قربان کرکے رات کا کچھ تراویح اور قیام اللیل میں گزارتا ہے ۔اور اعتکاف کرتا ہے

توبیکار باتوں سے، دوست واحباب سے ملنے جلنے سے، زیادہ سونے سے دور رہتا ہے۔اس طرح اس کا دل پاک وصاف ہوجاتا ہے اوراللہ کی محبت سے معمور ہوجاتا ہے، وہ غلط کاموں سے دور ہوجاتا ہے، اوراس کے اندر نیک کاموں میں آگے بڑھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے ۔یہی اعتکاف کا سب سے اہم مقصد ہے۔

اعتکاف کے آداب: 1۔اعتکاف کے لیے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ نیت خالص ہو۔اپنی اصلاح کی خاطر، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اعتکاف کیا جائے، لوگوں کو دکھاوے کے لیے اعتکاف کرنا، یا لوگوں میں شہرت حاصل کرنے کے لیے اعتکاف کرنا، وغیرہ۔ یہ سب غلط مقاصد ہیں ،ان اجتناب کرنا چاہیے۔جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں مذکور ہے۔ایک مرتبہ اعتکاف کے لیے اکیسویں رمضان کی صبح کو اپنے اعتکاف گاہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ بہت سے خیمے لگے ہوے ہیں، پوچھا کہ یہ کس کے ڈیرے ہیں؟ صحابہؓ نے بتایا کہ ازواج مطہرات کے ہیں، آپ ﷺ اپنی بیویوں کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے، سمجھ گئے کہ یہ سب ایک دوسرے کا دیکھا دیکھی اعتکاف کا ارادہ کی ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: آلْبِـرَّ تُـرِدْنَ ؟ کیا تمھارا ارادہ نیکی کا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے سب ڈیروں کو نکالنے کا حکم دیا اور اپنا ڈیرہ بھی نکال دیا۔اس سال آپ ﷺ نے شوال کے مہینے میں اس کی قضا کی۔(ابن ماجہ: باب ماجاء فیمن یبتدئ الاعتکاف)

2۔اعتکاف کے لیے اکیسویں رمضان کو مغرب کے وقت مسجد میں پہنچ جانا چاہیے، کیوں کہ اعتکاف اکیسویں رمضان کو مغرب کے بعد سے شروع ہوجاتا ہے۔

3۔اعتکاف کے لیے ڈیرہ لگوانا مسنون ہے، تاکہ یکسوئی کے ساتھ عبادت کی جاسکے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے: اِعْتَـكَفَ فِـىْ قُبَّةٍ تُـرْكِيَّةٍ عَـلٰـى سُدَّتِهَا قِطْعَةُ حَصِيْرٍ ۔(ابن ماجہ: باب الاعتکاف فی خیمۃ المسجد) ''رسول اکرم ﷺ نے ایک ترکی ڈیرے میں اعتکاف کیا جس میں ایک چٹائی سے آپ ﷺ نے دروازہ بنالیا تھا''۔

4۔اعتکاف مسجد میں کرنا ضروری ہے۔سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: وَأَنْتُـمْ عَـاكِـفُوْنَ فِـى

الْمَسَاجِدَ ۔(البقرہ)"

اگر چہ عورت ہی کیوں نہ ہو،اوپر حدیث گزر چکی ہے ۔گھروں میں اعتکاف کرنا درست نہیں۔

5۔اکیسویں رمضان کو فجر کی نماز کے بعد اعتکاف گاہ میں داخل ہونا چاہیے۔عائشہؓ سے مروی ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ مُعْتَكَفَهُ ۔(ابوداؤد: باب الاعتکاف) "رسول اکرم ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز کے بعد اپنے اعتکاف گاہ میں داخل ہوتے"۔

6۔اعتکاف کرنے والے کو چاہیے کہ اپنا سارا وقت مسجد ہی میں گزارے،بغیر ضرورت کے مسجد سے باہر نہ جائے۔اگر کوئی ایسی ضرورت ہو جس کا مسجد میں انتظام نہ ہو تو مسجد کے باہر جا سکتا ہے ،مثلاً غسل کرنے کے لیے،قضائے حاجت کے لیے، بیمار ہو تو علاج کے لیے،وغیرہ۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ ۔(ابوداؤد: باب أن یکون الاعتکاف)" آپ ﷺ بشری ضروریات کی تکمیل ہی کے لیے گھر میں داخل ہوتے تھے"۔

7۔بلاضرورت کسی سے بات چیت کرنا،غیر ضروری کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنا یا دنیوی مصروفیات میں وقت گزارنا، یہ سب اعتکاف کے آداب کے خلاف ہے۔البتہ کسی ضرورت کے تحت لوگوں سے بات چیت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔مشہور واقعہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ رمضان المبارک میں اعتکاف میں تھے۔ام المومنین حضرت صفیہؓ آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے آئیں۔ رات کا وقت تھا۔ جب واپس ہونے لگیں تو آپ ﷺ انھیں رخصت کرنے کے لیے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے۔(ابن ماجہ: کتاب الصیام)

8۔ضرورت کے وقت کسی دوسرے سے کام بھی لے سکتے ہیں۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِيْ إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ ۔(ابوداؤد: باب أن یکون الاعتکاف)"رسول اکرم ﷺ جب اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر میرے قریب کرتے ، میں آپ ﷺ

کے بالوں میں کنگھی کیا کرتی تھی''۔

صدقۂ فطر : رمضان کے آخری عشرے کی ایک اور اہم عبادت صدقۂ فطر ہے۔ یہ ہر مسلمان پر واجب ہے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَکَاةُ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمَرٍ أَوْصَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔(بخاری: باب فرض صدقۃ الفطر) ''اللہ کے رسول ﷺ نے صدقۂ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مقرر کیا ہے، ہر مسلمان پر چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا''۔

اگر کوئی آدمی رمضان کے آخری دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائے، یا کوئی بچہ پیدا ہو جائے، اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی رمضان کے آخری دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے شادی کرلے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کی جانب سے صدقۂ فطر ادا کرے۔

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اپنی جانب سے اور اپنے ماتحتوں (بیوی، بچوں اور والدین) کی جانب سے صدقۂ فطر ادا کرے۔

صدقۂ فطر کی حکمت: آپ ﷺ نے اس کی دو حکمتیں بیان کی ہیں۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: فَرَضَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ ﷺ زَکَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ ۔(ابوداؤد: باب زکاۃ الفطر) ''رسول اکرم ﷺ نے صدقۂ فطر مقرر فرمایا ہے روزے دار کی بے کار اور بے ہودہ باتوں سے پاکی کے لیے اور غربا اور مساکین کی غذا کے لیے''۔

سورۂ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى، وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۔(الاعلیٰ:) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت ابوالعالیہؒ اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: أَدّٰى زَكَاةَ الْفِطْرِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ ۔ جو شخص صدقۂ فطر ادا کرے اور نمازِ عید کے لیے نکلے''۔(احکام القرآن للجصاص)

حضرت وکیع بن جراحؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ہونے والی کوتاہی کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوتی ہے،اسی طرح رمضان کے روزوں میں ہونے والی کوتاہی کی تلافی صدقۂ فطر سے ہوتی ہے''۔(المجموع للفتاوی:۶)

صدقۂ فطر کا وقت: رمضان کے دن عیدگاہ جانے سے قبل صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِزَکَاۃِ الْفِطْرِ أَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلَاۃِ ۔(ابوداؤد:باب متی تؤدی زکاۃ الفطر)''اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں عیدالفطر کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا''۔

ایک دوسری روایت میں ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:مَنْ أَدَّاھَا قَبْلَ الصَّلاۃِ فَھِیَ زَکَاۃٌ مَقْبُوْلَۃٌ وَمَنْ أَدَّاھَا بَعْدَالصَّلَاۃِ فَھِیَ صَدَقَۃٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ ۔''جس نے نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کیا،اس کا یہ صدقہ مقبول ہوگا اور جو نماز کے بعد ادا کرے ،اس کی حیثیت عام صدقہ کی ہوگی۔یعنی صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا۔(ابوداؤد:باب زکاۃ الفطر)

صدقۂ فطر عید سے دو چار دن قبل بھی نکال سکتے ہیں۔حضرت نافعؒ کی روایت میں ہے :وَکَانُوا یُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِیَوْمٍ أَوْ یَوْمَیْنِ ۔ وہ(صحابہ کرامؓ)صدقۂ فطر عید سے ایک دن یا دو دن پہلے ادا کرتے تھے''۔(بخاری:باب صدقۃ الفطر علی الحر والمملوک)

صحیح بخاری کی مشہور روایت ہے کہ حضرت ابوھریرۃؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے زکاۃ الفطر جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔تین دن تک مسلسل شیطان چور کی شکل میں آکر اس سے چراتا رہا.......اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین چار دن پہلے بھی زکاۃ الفطر نکال سکتے ہیں۔

صدقۂ فطر کن چیزوں میں سے نکالا جائے : اپنی استعمال کی اشیاء میں سے صدقۂ فطر نکالنا چاہیے۔حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:کُنَّا نُخْرِجُ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یَوْمَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ وَقَالَ أَبُوْسَعِیْدٍؓ : وَکَانَ طَعَامُنَا الشَّعِیْرَ وَالزَّبِیْبَ وَالْأَقِطَ وَالتَّمَرَ ۔(بخاری:باب الصدقۃ قبل العید)''ہم رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں عیدالفطر کے دن اناج

میں سے ایک صاع صدقۂ فطر نکالا کرتے تھے“۔

صدقۂ فطر کی مقدار: صدقۂ فطر کی مقدار ایک صاع اناج ہے۔ جیسا کہ اوپر گزری ہوی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے: كُنَّا نُعْطِيهَا فِي زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ ۔ (بخاری: باب صاع من زبیب) ”ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں صدقۂ فطر ایک صاع ادا کیا کرتے تھے“۔

+++

سلام کے آداب

ہر قوم اور مذہب میں ملاقات کے وقت دعا دینے کا رواج ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں برادران وطن ملاقات کے وقت ''نمستے'' یا ''نمسکار'' کہتے ہیں۔ اور مغربی تہذیب سے متاثر لوگ ''گڈ مارننگ'' یعنی تمھاری صبح اچھی ہو۔ شام کے وقت ''گڈ ایوننگ'' تمھاری شام اچھی ہو۔ اور رات کے وقت ''گڈ نائٹ'' یعنی تمھاری رات بخیر ہو، جیسے الفاظ ادا کرتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب جب آپس میں ایک دوسرے ملاقات کرتے تو ''حَیَّاكَ اللّٰهُ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں زندہ رکھے۔ کبھی کہتے: أَنـعَـمَ الـلّٰـهُ بِكَ عَیْنًا ''یعنی اللہ تعالیٰ تمھاری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے۔ یا کہتے: أَنْعِمْ صَبَاحًا۔ یعنی تمھاری صبح اچھی اور خوش گوار ہو۔

اقوامِ عالم میں ملاقات کے وقت رائج یہ دعائیہ کلمات وقتی خیر اور بھلائی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسلام نے اس طرح کے وقتی الفاظ کی بجائے سلام کا طریقہ رائج فرمایا۔

اسلامی سلام بہترین اور جامع دعا ہے جو انسان کی ساری زندگی پر محیط ہے۔ یہ عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی دعا نہیں بل کہ حیاتِ طیبہ کی دعا ہے۔ انسان کی زندگی دو چار دن کی ہو، یا سو سال سے زائد کی۔ ایک مسلمان اپنے بھائی کو یہ دعا دیتا ہے کہ اللہ کرے کہ تمھاری زندگی کے یہ دن سلامتی سے بسر ہوں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے تمھیں نجات ملے۔ رنج والم تمھارے نزدیک نہ پھٹکے۔ سلام کرنے والا سلامتی کی دعا دے کر گویا یہ بھی یقین دلاتا ہے کہ میرے ہاتھ اور زبان کی تکلیف سے تم محفوظ ہو۔ اور میں تمھاری جان، مال اور آبرو کا محافظ ہوں۔ چنانچہ ابن العربیؒ نے احکام القرآن میں امام ابن عیینہؒ سے نقل کیا ہے: أَتَـدْرِیْ مَـا السَّلَامُ ؟ یَـقُـوْلُ: أَنْـتَ آمِـنٌ مِّـنِّـیْ۔ جانتے ہو سلام کیا چیز ہے؟ سلام کرنے والا یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون ہو۔

سلام کے معنی ''امن وسلامتی'' کے ہیں۔''السلام'' اللہ کے ناموں میں سے ہے۔رسول اکرمﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ السَّلَامَ اسمٌ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ وَضَعَهُ اللّٰهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوهُ فِيكُمْ ۔(الادب المفرد)''سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک مبارک نام ہے، جسے اللہ تعالیٰ زمین میں اتارا ہے۔چنانچہ آپس میں سلام کو عام کرو''۔

''سلام'' اللہ کی طرف سے ایک ایسا دعائیہ کلمہ ہے جو انسان کو مصیبتوں اور پریشانیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔حضرت نوحؑ پر مشکل وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۔(الصافات:79)''تمام جہانوں میں نوح پر سلامتی ہو''۔جب پانی ساری زمین میں پھیل گیا۔یہاں تک کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی پانی پہنچ گیا۔دنیا کے تمام نافرمان پانی میں ڈوب گئے۔ایسے میں نوحؑ کی کشتی محفوظ تھی تو اس کی وجہ اللہ کا وہ پیغام تھا جو لفظ سلامتی کے ناطے سے حضرت نوحؑ کو پہنچا تھا۔فرمایا گیا: قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ ۔(ھود:48)''فرمادیا گیا کہ اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر جو تجھ پر ہیں''۔

حضرت ابراہیمؑ پر زندگی میں سب سے مشکل وقت وہ تھا جب نمرود نے انھیں آگ میں ڈالا۔اس موقع پر بھی اللہ کی جانب سے فوراً سلامتی کا پیغام پہنچا۔سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوا: قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْداً وَسَلَاماً عَلَى إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء:69)''ہم نے فرمادیا! اے آگ! ٹھنڈی پڑجا اور ابراہیم کے لیے سلامتی والی ہوجا''۔

حضرت یحیٰؑ کی پیدائش پر اللہ کی طرف سے ''پیغام سلامتی'' یوں سنایا گیا۔وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۔(مریم:15)''اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ کرکے اٹھایا جائے''۔

اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو سلامتی سے نوازا۔وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ۔(الصافات:181)''اور رسولوں پر سلام ہو''۔

اللہ کے رسولﷺ پر دائمی سلامتی کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا۔ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ

عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً ۔ (الاحزاب:57)''اللہ اوراس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو!تم (بھی)ان پر درود بھیجواور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہو''۔

سلام دراصل دین، دنیااورآخرت کی سلامتی کا ضامن ہے۔اس لیے مسلمانوں کوملاقات کے وقت آپس میں سلامتی کی دعا دینے کا حکم دیا گیا تا کہ مسلمان ہرقسم کے مصائب وآلام سے دنیا میں محفوظ رہےاورآخرت میں بھی سلامتی سے ہم کنار ہو۔

جنت کے ناموں میں سے ایک نام ''دارالسلام'' ہے۔یعنی سلامتی کا گھر۔سورۂ انعام میں ارشاد ہے: وَاللّٰہُ یَدْعُوْاِلٰی دَارِالسَّلَامِ ۔(یونس:25)''اوراللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے''۔

اس دنیا میں کسی کوسکون نصیب نہیں ہوسکتا۔حقیقی سکون جنت ہی میں حاصل ہوسکتا ہے، کیوں کہ جنت کا ماحول پرسکون ہے، وہاں ہرطرف امن ہی امن ہے۔جنتی جب آپس میں ملاقات کریں گے توایک دوسرے کوسلامتی کی دعا دیں گے۔سورۂ یونس میں فرمایا گیا:دَعْوَاھُمْ فِیْھَا سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاھُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔(یونس:10)''ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی''سبحان اللہ''اوران کا باہمی سلام یہ ہوگا''السلام علیکم''اوران کی اخیر بات یہ ہوگی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جوسارے جہان کا رب ہے''۔

جنتی جب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے توفرشتے ان کا استقبال کرتے ہوے ان کے حق میں سلامتی کے کلمات کہیں گے:سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خَالِدِیْنَ۔(الزمر:39)''تم پر سلام ہو،تم خوش رہو،تم ہمیشہ کے لیےاس میں داخل ہوجاؤ''۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی سلامتی کی دعا دی جائے گی۔سورۂ یٰس میں فرمایا گیا:سَلَامٌ قَوْلًامِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔(یٰس:58)''مہربان پروردگار کی طرف سے انھیں''سلام''کہا جائے گا''۔

سلام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد

سب سے پہلے انھیں سلام کا طریقہ اور ملاقات کے آداب ہی سکھائے گئے۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو فرمایا: اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی أُولٰئِكَ نَفَرٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوْسٍ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّوْنَكَ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ۔ ''جاؤ، وہاں جو فرشتے بیٹھے ہیں، انھیں سلام کرو اور غور سے سنو، وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ملاقات کے وقت یہی تمھارے اور تمھاری اولاد کے دعا اور سلام کا طریقہ ہوگا''۔حضرت آدمؑ ان کے پاس گئے اور انھیں ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' کہا۔انھوں نے جواب میں کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ۔(یعنی وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کا اضافہ کیا)(بخاری: باب بدء السلام)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: مَا حَسَدَكُمُ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ مَا حَسَدُوْكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّامِيْنِ ۔(ابن ماجہ: باب الجہر بآمین)''یہودیوں جتنا حسد تم پر سلام اور آمین پر ہوتا ہے اتنا کسی اور چیز پر نہیں ہوتا''۔

احادیث میں سلام کو عام کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ پہنچے تو لوگ آپ ﷺ کو دیکھنے کے لیے آپ ﷺ کی طرف لپکے۔جب یہ بات مجھے بھی معلوم ہوی تو میں بھی آپ ﷺ کو دیکھنے کے لیے گھر سے نکلا۔جب آپ ﷺ پر میری نظر پڑی تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔سب سے پہلی بات جو آپ ﷺ نے کہی، وہ یہ تھی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ ۔(ابن ماجہ: باب ما جاء فی قیام اللیل)''لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، راتوں میں نمازیں پڑھو، جب لوگ سو رہے ہوں۔تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگے''۔

مومن بھائی کو سلام میں پہل کرنا اللہ کے محبوب ہونے کی دلیل ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ۔(ابوداؤد: باب فی فضل من بدأ بالسلام)''لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے''۔

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ دو آدمی جب آپس

میں ملیں تو ان میں سے کون سلام میں پہل کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أَوْلٰھُمَا بِاللّٰہِ تَعَالٰی ۔ ''جو ان میں اللہ سے زیادہ قریب ہو، اسے چاہیے کہ سلام میں پہل کرے''۔(ترمذی: باب فضل الذی یبدأ السلام)

اسلام نے اپنے متبعین کو سلام کے آداب تفصیل سے بتائے ہیں۔

1۔سب سے پہلا ادب یہ بتایا گیا کہ جب بھی کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو، اسے سلام کرے۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِذَا لَقِیَ أَحَدُکُمْ أَخَاہُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ۔()''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملاقات کرے، تو اسے چاہیے کہ سلام کرے''۔

اگر ایک سے زائد مرتبہ ملاقات ہو تب بھی سلام کرنے میں دشواری محسوس نہیں کرنی چاہیے۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اِذَا لَقِیَ أَحَدُکُمْ أَخَاہُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَھُمَا شَجَرَۃٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِیَہُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ ۔(ابوداؤد: باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاہ)''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو اسے چاہیے کہ اسے سلام کرے۔اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت، یا دیوار یا پتھر حائل ہو پھر ملاقات ہو تو انھیں چاہیے کہ آپس میں سلام کریں''۔

2۔دوسرا ادب یہ بتایا گیا ہے کہ چھوٹا بڑے کو، چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو، گزرنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو اور سوار، پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔(بخاری: باب تسلیم القلیل علی الکثیر)

3۔سلام مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو۔اگر کسی وجہ سے بگاڑ پیدا ہو جائے تو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ جلد سے جلد تعلق کو بحال کیا جائے۔اللہ کے نزدیک پسندیدہ مسلمان وہ ہے جو تعلقات کو قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اور سلام میں پہل کرتا ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَایَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَھْجُرَ أَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا وَخَیْرُھُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ ۔(مسلم: باب تحریم الھجر فوق ثلاث بلا عذر شرعی)''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ

وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق نہ کرے۔ جب دو

4۔ جب بھی ملاقات کے لیے کسی کے گھر جائیں تو پہلے سلام کر کے اجازت طلب کریں۔ سورۂ نور میں فرمایا گیا: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتاً غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی أَهْلِهَا ۔(النور:)

بنو عامر کا ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات کے لیے آیا۔ اور اس نے ان الفاظ میں اجازت طلب کی ۔ااَلج ؟ کیا میں گھر میں داخل ہوسکتا ہوں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: اُخْرُ جْ اِلٰی هٰذَا فَعَلِّمْهُ الْاِ سْتِئْذَانَ۔ فَقُلْ لَهُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ أَأَدْخُلُ ؟ جاؤ، اس کو اجازت لینے آداب سکھلاؤ۔ اس سے کہو: پہلے سلام کرو اور پھر کہو کیا میں گھر میں داخل ہوسکتا ہوں؟ وہ شخص آپ ﷺ کی گفتگو سن لیا اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ أَأَدْخُلُ ۔ تو آپ ﷺ نے اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی۔(ابوداؤد: باب کیف الاستئذان)

حضرت کلدہ بن حنبلؓ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات کے لیے آیا اور سلام کیے بغیر گھر میں داخل ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِرْجِعْ فَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ أَأَدْخُلُ ؟ لوٹ جاؤ اور اس طرح اجازت طلب کرو۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ ۔ کیا میں گھر میں داخل ہوسکتا ہوں۔(ترمذی: باب التسلیم قبل الاستئذان)

5۔ اپنے گھر میں بھی سلام کر کے داخل ہونا چاہیے۔ سورۂ نور میں ارشاد ہے: فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتاً فَسَلِّمُوْا عَلٰی أَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَیِّبَةً ۔(النور:61) ''پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرلیا کرو، دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ''۔

6۔ کسی ایسے گھر میں داخل ہوں جہاں کوئی موجود نہ ہو تو اس وقت بھی سلام کر کے داخل ہونا چاہیے۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: اِذَا دَخَلَ الْبَیْتَ غَیْرَ الْمَسْكُوْنِ فَلْیَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ۔(تفسیر الصنعانی:)

7۔مسلمان بھائی کو سلام کرنا ایک دینی فریضہ ہے۔اور سلام کا جواب دینا یہ اسلامی حق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ان میں سب سے پہلا حق آپ ﷺ نے سلام کا جواب دینا بتایا ہے۔(بخاری:باب الامر باتباع الجنائز)

8۔سلام کا جواب بہتر طریقے سے یا اسی طریقے سے دینا چاہیے۔سورۂ نساء میں ارشاد ہے: وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيباً (النساء:86)''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو۔بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے''۔

9۔سلام کا بڑا اجر و ثواب ہے۔حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آیا اور ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ '' کہا۔آپ ﷺ نے فرمایا:اس کے لیے دس نیکیاں ہیں۔پھر دوسرا شخص آیا،اس نے یوں سلام کیا:اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا: اس کے لیے بیس نیکیاں ہیں۔پھر تیسرا شخص داخل ہوا،اس نے یوں سلام کیا:اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا کہ اس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔(ابوداؤد:باب کیف السلام)

10۔عام طور پر جان پہچان والوں کو سلام کیا جاتا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو قیامت کی علامت قرار دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ إِذَا كَانَتِ التَّحِيَّةُ عَلَى الْمَعْرِفَةِ۔(السلسلۃ الصحیحۃ)''قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ لوگ جان پہچان کی بنیاد پر سلام کریں گے''۔جن سے پہچان نہ ہو یا تعلق نہ ہو،ایسوں کو سلام کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔جب کہ اسلام نے ہر مسلمان کو سلام کرنے کی تعلیم دی ہے۔حضرت عمرو بن عاصؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا:أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ۔اسلام کی سب سے افضل تعلیم کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔(بخاری:باب اطعام الطعام من الاسلام)''کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا چاہے تم پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو''۔

11۔ سلام کے آداب میں سے ایک ادب یہ بتایا گیا ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے، مگر بسا اوقات تعلیم کی غرض سے اللہ کے رسول ﷺ آگے بڑھ کر چھوٹے بچوں کو سلام کیا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: أَتَى رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰى غِلْمَانٍ يَلْعَبُوْنَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ۔ (ابوداؤد: باب السلام علی الصبیان) ''رسول اکرم ﷺ کا گزر بچوں پر سے ہوا جو کھیل رہے تھے، آپ ﷺ نے انھیں سلام کیا''۔

12۔ کوئی سلام پہنچائے تو اس کا جواب اس طرح دینا چاہیے: عَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ مجھے میرے والد نے رسول اکرم ﷺ کے پاس بھیجا اور کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو میرا سلام سناؤ۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آکر کہا کہ میرے والد آپ ﷺ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس طرح جواب دیا: عَلَيْكَ وَعَلٰى أَبِيْكَ السَّلَامُ۔ (ابوداؤد: باب فی الرجل یقول فلان یقرئک السلام)

13۔ سلام عبادت ہے، اس لیے وہی الفاظ ادا کرنا چاہیے جو اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ اس کی بجائے ہاتھ اور سر کے اشارے سے سلام کرنا یہ نبوی طریقہ نہیں ہے بل کہ یہ یہود اور نصاریٰ کا طریقہ ہے، جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لَا تُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَإِنَّ تَسْلِيْمَهُمْ بِالْأَكُفِّ وَالرُّؤُوْسِ وَالْإِشَارَةِ۔ (السلسلۃ الصحیحۃ:) ''یہود اور نصاری کی طرح سلام مت کرو۔ ان کا سلام ہاتھ اور سر کی حرکت اور اشارے سے ہوتا ہے''۔

البتہ حالتِ نماز میں کوئی سلام کرے یا دور سے کوئی سلام کرے جو سنائی نہ دے تو سلام کے الفاظ کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنے کی ممانعت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس سے حالتِ نماز میں سلام مستثنیٰ ہے۔ اس لیے کہ رسول ﷺ نے حالتِ نماز میں اشارے سے سلام کا جواب دیا جیسا کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نماز میں تھے۔ اشارے سے آپ ﷺ نے اس کا جواب

دیا۔اسی طرح اگر کوئی دور ہو،سلام کی آواز نہ سنتا ہو،اس کو بھی اشارے سے سلام کرنا جائز ہے اور اس کے ساتھ سلام کے الفاظ بھی ادا کرے‘‘۔(فتح الباری: ج19/ 11)

سلام کی اسی اہمیت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ سلام کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے۔حضرت طفیل بن ابی کعبؓ فرماتے ہیں:

فوائد: 1۔سلام حصولِ برکت کا ذریعہ اور امن وسلامتی کی دعا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:اِذَا سَلَّمْتَ فَأَسْمِعْ فَاِنَّهَا تَحِيَّةٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُبَارَكَةٌ طَيِّبَةٌ۔(الادب المفرد: باب یسمع اذا سلم)’’جب گھر میں داخل ہو تو اس قدر بلند آواز سے سلام کرو کہ گھر والوں کو سنائی دے، کیوں کہ یہ دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ‘‘۔

آج ہر آدمی سکون واطمینان کا متلاشی ہے۔دنیا کے تمام مادی اسباب انسان کو سکون واطمینان پہنچانے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ایسے میں ممکن ہے کہ کسی مسلمان کی دعا کسی کے حق میں قبول ہو جائے اور اسے اطمینان نصیب ہو یا ہم کسی کو سلام کریں اور وہ ہمیں جواب دے اور اس کی دعا ہمارے حق میں قبول ہو جائے اور ہمیں سکون واطمیان نصیب ہو۔

2۔سلام کرنے والا اللہ کی حفاظت میں چلا جاتا ہے: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:عن ابی امامۃ قال قال النبی ﷺ:ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ۔اِنْ عَاشَ كُفِيَ وَاِنْ مَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔مَنْ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَمَنْ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ خَرَجَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ ۔(صحیح الادب المفرد: باب فضل من دخل بیتہ بسلام)’’تین اشخاص ہیں جن کا اللہ ضامن ہے،اگر وہ زندہ رہیں تو اللہ کی حفاظت میں ہوں گے اور اگر وفات پا جائیں تو جنت میں داخل ہوں گے۔جو شخص سلام کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہو۔۲۔جو مسجد کی طرف نکلے۔۳۔اور جو اللہ کی راہ میں نکلے‘‘۔

3۔حصول جنت کا ذریعہ : ا۔سلام آپسی محبت کو بڑھانے اور جنت حاصل کرنے کا سب سے آسان نسخہ ہے۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:لَاتَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ

حَتّٰی تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰی تَحَابُّوا أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ ۔(مسلم: باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ اِلا المومنون....) ''تم اس وقت جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ پھر فرمایا: کیا میں تمھیں ایسا نسخہ نہ بتاؤں، جس کو تم اپناؤ گے تو آپس میں محبت کرنے لگ جاؤ گے۔ فرمایا: آپس میں سلام کو عام کرو'۔

سلام کے تعلق سے یہ اسلام کی چند اہم تعلیمات ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مسکراہٹ، ایک عظیم نیکی

مسکراہٹ زندگی کی علامت ہے۔زندگی کوخوش گوار بنانے کے لیےضروری ہے کہ خوش رہا جائے اور ماحول میں خوشیوں کی چاندنی بکھیرنے کی کوشش کی جائے۔مسکراہٹ انسان کی ایک ایسی صفت ہے جواس کودوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ خوشی کو پروان چڑھانے کاباعث اورالفت و محبت کے اظہار کا پہلازینہ ہے۔ایک معصوم بچہ بھی مسکرا کر اپنی انسیت اورمحبت کااظہار کرتا ہے۔ مسکراہٹ دلوں کی کدورت اور دشمنی کو دور کرتی ہے۔لوگوں کوقریب کرنے ، ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے اوران پر اثرانداز ہونے کا بہترین وسیلہ ہے۔دوسروں کے بارے میں اپنے نیک جذبات کے اظہار کاذریعہ ہے۔موجودہ دور میں تجارت ،صنعت وحرفت، باہمی تعلقات اوردنیوی امور کی کامیابی کاانحصار بھی بہت حد تک تبسم اور مسکراہٹ پر ہے۔

ماہرینِ صحت کہتے ہیں کہ ہنسنا ہماری صحت کے لیے اتنا ہی مفید ہے جتنا ورزش کرنا، یا صحت مند غذا کھانا مفید ہے۔طبی اعتبار سے اس کے بہت سے فائدے ہیں، مثلاً:

1۔مسکراہٹ تناؤ کم کرکے دل کو سکون پہنچاتی ہے:جب انسان مسکراتا ہے تو اس سے اعصابی تناؤ کی شدت کم ہوتی ہے، اور دل پر دباؤ میں کمی آتی ہے، جس کے نتیجے میں انسان کو راحت کا احساس ہوتا ہے۔

2۔مسکراہٹ انسانی جسم میں سفید خونی خلیے تیار کرنے میں مدد دیتی ہے، جو بیماریوں کے خلاف مزاحمت کی ذمہ داری انجام دیتے ہیں۔جس کی وجہ سے انسان امراض قلب اور فالج جیسی جان لیوا بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

3۔عام طور پر ہم جس شخص کو مسکراتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہم خود بھی مسکرا دیتے ہیں، گویا کہ مسکراہٹ متعدی بن کر ہم تک منتقل ہوتی ہے۔(العربیۃ ڈاٹ نیٹ، ۱۹/ڈسمبر ۲۰۱۶)

اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے، اس لیے اس نے کامیاب زندگی کے لیے درکار خوبیوں اور

خصوصیتوں کی طرف رہ نمائی کی ہے۔قیامت کے دن حشر کے میدان میں جب سارے لوگ جمع ہوں گے تو ان کی دو قسمیں کی جائیں گی۔ایک: ان بد نصیبوں کی ہوگی جن کے چہروں پر افسردگی اور شرمندگی چھائی ہوی ہوگی۔دوسری قسم ان خوش نصیبوں کی ہوگی جن کے چہرے مسرت اور مسکراہٹ سے دمک رہے ہوں گے۔قرآنِ مجید نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ .ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ .وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَاغَبَرَةٌ. تَرْهَقُهَا قَتَـرَةٌ ۔(عبس :۳۸ تا ۴۱)''کچھ چہرے اُس روز دمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے، اور کچھ چہروں پر اُس روز خاک اُڑ رہی ہوگی، اور کلونس چھائی ہوی ہوگی''۔

رسول اکرم ﷺ اور مسکراہٹ : رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا بیشتر حصہ پریشانیوں، تکلیفوں اور آزمائشوں میں گزرا۔آپ ﷺ کی کتابِ زندگی کا شاید ہی کوئی ورق ایسا ہو جس پر رنج وغم اور مصائب وآلام کی تحریریں ثبت نہ ہوی ہوں۔آپ ﷺ پر جتنی آزمائشیں آئیں، دنیا کے کسی اور انسان پر نہیں آئیں۔خود آپ ﷺ نے فرمایا:

وَلَقَدْ أُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذىٰ أَحَدٌ ۔(ابن ماجہ: باب فضل سلمان وابی ذر والمقداد)
''اللہ کی راہ میں مجھے جتنی تکلیفیں دی گئیں، اتنی کسی اور کو نہیں دی گئیں''۔

رنج وغم کے ان گھنے سایوں میں بھی آپؐ کے چہرے پر افسردگی نہیں دیکھی گئی۔تبسم ہمیشہ کھیل رہا ہوتا۔حضرت عبداللہ بن حارثؓ فرماتے ہیں:

مَارَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِّنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ۔(ترمذی)''میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے بڑھ کر کسی کو مسکراتے ہوے نہیں دیکھا''۔

گھر کے ماحول پر سربراہ کی طبیعت اور مزاج کا بڑا اثر ہوتا ہے۔اگر گھر کا سرپرست سخت مزاج اور ترش رُو ہو تو افرادِ خانہ پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اور اگر وہ خوش مزاج ہو تو گھر کا ماحول خوش گوار رہتا ہے۔بعض لوگوں کی عادت ہوتی کہ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوتے ہیں تو اس قدر اُجاڑ صورت بنا لیتے ہیں کہ دور دور تک خوشی کا نام ونشان نہیں ہوتا، بل کہ مسکرانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔جب کہ اللہ کے رسول ﷺ گھر والوں کے درمیان نہ صرف مسرور رہتے، بل کہ ان کے ساتھ دل لگی کرتے، ہنستے ہنساتے، خود خوش رہتے اور گھر والوں کو بھی خوش رکھتے۔حضرت عائشہؓ

فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ آگے بڑھو۔ صحابہ کرامؓ اس قدر آگے ہوگئے کہ ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ چلو، ہم دونوں دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ پھر ہم دونوں میں مقابلہ ہوا۔ اس مقابلے میں میں اللہ کے رسول ﷺ پر بازی لے گئی۔ ایک مدت بعد ایک اور مرتبہ ہمارے درمیان دوڑ کا مسابقہ ہوا۔ اس وقت میں بھاری بھرکم جسم والی ہوگئی تھی۔ اس مرتبہ اللہ کے رسول مسابقے میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ پھر فرماتی ہیں:

فَجَعَلَ يَضْحَكُ وَقَالَ: هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبَقَةِ۔ آپ ﷺ مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: ''یہ اس مقابلے کا بدلہ ہے''۔ (السلسلة الصحيحة: 131)

گھر سے باہر معاشرتی زندگی میں بھی اپنے اصحاب کے ساتھ آپ ﷺ کا معاملہ خوش مزاجی ہی کا ہوتا تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں: مَا حَجَبَنِيُ النَّبِيُّ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِيُ اِلَّا تَبَسَّمَ فِيُ وَجْهِيُ ۔ (بخاری: باب الطيب للجمعة) ''جب سے میں اسلام قبول کیا ہوں، آپ ﷺ نے مجھے کبھی اپنے پاس آنے سے روکا نہیں اور جب بھی مجھ پر آپ ﷺ کی نظر پڑتی، آپ مسکرا دیتے''۔

آپ ﷺ کے اطراف مصیبت زدہ اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت تھی۔ جب وہ آپ کے متبسم چہرے کو دیکھتے تو ان کا غم دور ہو جاتا اور یک گونہ سکون انھیں نصیب ہوتا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو کبھی اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں شریک ہونے کا موقع ملا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، مجھے شرکت کا موقع بہ کثرت ملا ہے۔ پھر ایک مجلس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ اپنے مصلیٰ پر ہی بیٹھ کر ذکر میں مصروف رہتے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو اپنی جگہ سے اٹھ جاتے۔ وہ آپ ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں:

وَكَانُوا يَتَحَدَّثُونَ فَيَأْخُذُونَ فِيُ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُونَ وَيَتَبَسَّمُ رَسُولُ اللّٰهِ۔

''صحابہ کرامؓ کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی، جاہلیت کے امور بھی زیر بحث آتے۔ دورانِ گفتگو صحابہ کرامؓ ہنستے ہنساتے اور آپ ﷺ بھی مسکراتے تھے''۔ (مسلم: باب تبسمہ وحسن عشرتہ)

آپ ﷺ ہر کسی سے اس خندہ پیشانی سے ملتے جیسے برسوں کی شناسائی اور وابستگی ہو۔ ہر کوئی یہی سمجھتا کہ آپ سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں:

فَكَانَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثُهُ عَلَيَّ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنِّيُ خَيْرُ الْقَوْمِ۔ ''آپ ﷺ پوری طرح

میری طرف متوجہ ہوتے، اور مجھ سے اس والہانہ انداز میں گفتگو کرتے کہ سمجھنے لگا کہ میں ہی لوگوں میں سب سے افضل ہوں''۔ آخر میں ایک مرتبہ پوچھ ہی دیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں افضل ہوں یا ابوبکرؓ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکرؓ۔ پھر میں نے دریافت کیا: میں افضل ہوں یا عمرؓ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عمرؓ۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عثمان۔ (وہ کہتے ہیں کہ) فَلَوَدِدْتُ أَنِّيْ لَمْ أَكُنْ سَأَلْتُهُ۔ ''کاش کہ میں آپ ﷺ سے اس بارے میں سوال نہ کرتا تو بہتر ہوتا''۔ (مختصر الشمائل۔ وحسنہ)

رسول اللہ ﷺ کے اس اسوے میں مسلم معاشرے کے لیے پیغام یہ ہے کہ اس کے افراد آپس میں خوش مزاجی سے ملیں۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں، بل کہ اسلام کی نظر میں نیکی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ أَخِيْكَ صَدَقَةٌ۔ (السلسلة الصحيحة: 572) ''اپنے بھائی کے لیے خندہ روئی کا مظاہرہ کرنا بھی نیکی ہے''۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لَاتَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْأَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِقٍ۔ (مسلم: باب استحباب طلاقة الوجہ عند اللقاء) ''کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھو، خواہ وہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو''۔

دعوت واصلاح میں خوش مزاجی کا اہم کردار ہوتا ہے۔ دو میٹھے بول سخت سے سخت دل انسان کی دنیا بدلنے کے لیے کافی ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ دشمنوں سے بھی نرمی کا معاملہ کرتے اور ان سے مسکرا کر ملتے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں:

وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُقْبِلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيْثُهُ عَلٰى أَشَرِّالْقَوْمِ يَتَأَلَّفُهُمْ بِذٰلِكَ۔ ''رسول اکرم ﷺ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی تالیفِ قلب کے خیال سے اپنی توجہ مبذول فرماتے اور ان سے نرم انداز میں گفتگو کرتے تھے''۔ (مختصر الشمائل: باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ معاشرے کا بدترین انسان ہے۔ جب وہ شخص آیا تو خندہ پیشانی سے ملے اور نرم لہجے میں آپؐ نے گفتگو کی۔ جب وہ رخصت ہوا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا:

لَمَّااسْتَأْذَنَ قُلْتَ: بِئْسَ أَخُوالْعَشِيْرَةِ فَلَمَّادَخَلَ انْبَسَطْتَّ اِلَيْهِ۔ ''جب اس شخص نے

ملاقات کی اجازت چاہی تو آپ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدترین آدمی ہے، مگر جب وہ داخل ہوا تو آپ نے شگفتہ چہرے سے ملے، (کیابات ہے؟)۔آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے مجھے کب ترش رو پایا؟''۔(ابوداؤد: باب فی حسن العشرۃ)

آپ ﷺ کی دعوت کی کامیابی کا راز بھی آپ ﷺ کی خوش مزاجی اور خوش گفتاری تھی۔قرآن نے گواہی دی ہے: وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔(آل عمران: 159) ''اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے''۔

آج ہماری دعوتی اور اصلاحی سرگرمیوں کی کم اثری کی ایک بنیادی وجہ ہماری ترش مزاجی اور سخت کلامی ہے۔ برادرانِ وطن سے ہمارے تعلقات ایسے نہیں ہیں کہ وہ ہم سے قریب ہوں، اور نہ ہم ان سے میٹھے لب و لہجے میں اور دل میں اترنے والے اسلوب میں گفتگو کرنا جانتے ہیں۔اس غلط سلوک اور لہجے میں اچھی سے اچھی تعلیم بھی کیوں کر اثر انداز ہوسکتی ہے؟ نبی کریم ﷺ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔کوئی سختی اور گستاخی سے بھی پیش آتا تو آپ ﷺ اس سے بھی خندہ لبی سے ملتے تھے۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ راستے سے گزر رہا تھا۔آپ ﷺ ایک نجرانی موٹی چادر اوڑھے ہوے تھے۔ایک دیہاتی آیا، اور اس نے آپ ﷺ کی چادر پکڑ کر اس زور سے اپنی طرف کھینچا کہ آپ ﷺ کی گردن پر چادر کے نشانات پڑ گئے۔پھر اس نے کہا: اے محمد! مجھے اللہ کے اس مال میں سے دینے کا حکم دیجیے جو آپؐ کے پاس ہے۔اللہ کے رسول ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوکر مسکرانے لگے۔پھر آپ ﷺ نے اسے کچھ دینے کا حکم دیا۔(متفق علیہ)

غصے کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے مسکراہٹ دور نہیں ہوتی تھی۔حضرت کعب بن مالکؓ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا واقعہ بیان کرتے ہوے فرماتے ہیں کہ جب آپؐ جنگِ تبوک سے لوٹے تو صحابہ کرامؓ کو ہم پیچھے رہ جانے والوں سے ملنے جلنے سے منع فرمادیا۔اس دوران جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور سلام کیا تو آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر مسکرایا، جیسے رنجیدہ شخص مسکراتا ہے۔(بخاری)

حدتو یہ ہے کہ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہورہے تھے تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ تھی۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ پیر کے دن مسلمان فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔حضرت

ابوبکرؓ لوگوں کی امامت فرمار ہے تھے۔آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے کمرے کا پردہ ہٹایا اورلوگوں کی طرف دیکھا۔انھیں نماز پڑھتا ہوا دیکھ کرآپ ؐ نے تبسم فرمایا۔حضرت ابوبکرؓ نے جب محسوس کیا تو پیچھے ہٹنا چاہے۔آپ ﷺ نے انھیں اشارے سے منع کر دیا۔راوی کہتے ہیں کہ اسی دن آپ ﷺ کا انتقال ہوا۔(بخاری:باب اھل العلم والفضل احق بالامامۃ)

آپ ﷺ کے مسکرانے کا انداز :رسول اللہ ﷺ کبھی اس طرح نہیں ہنستے کہ دانت نظر آئیں۔ آپ ؐ کی ہنسی میں ایک وقار ہوتا۔قہقہہ لگانا یا بلند آواز سے ہنسنا آپ کا مزاج نہیں تھا۔جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں:کَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَایَضْحَکُ اِلَّاتَبَسُّمًا۔’’آپ ﷺ کا مسکرانا ہی آپ ﷺ کی ہنسی تھی‘‘۔

آپ ؐ کی مسکراہٹ کا انداز بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی آپ ﷺ کو اس طرح کھل کھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا اندرونی حصہ نظر آجائے،بل کہ جب بھی خوشی کا کوئی موقع ہوتا تو آپ ﷺ مسکرانے پر اکتفا کرتے تھے۔(بخاری:باب التبسم والضحک)

مسکرانا سنت ہے۔صحابہ کرامؓ کے دلوں میں اس سنت کی بڑی قدر تھی۔اس کا اندازہ صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث سے ہوتا ہے،جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔رسول ﷺ نے فرمایا:

’’سب سے آخری میں جس شخص کو جہنم سے نکالا جائے گا،وہ گرتے پڑتے کسی طرح جہنم سے باہر آجائے گا،اوراللہ کا شکر بجالاتے ہوئے کہے گا:تَبَارَکَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَجَّانِیْ مِنْكِ،لَقَدْأَعْطَانِیَ اللّٰہُ شَیْئًا مَاأَعْطَاہُ أَحَدًا مِّنَ الْأَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ ۔اللہ کی ذات بابرکت ہے،جس نے مجھے تجھ سے نجات دی۔اوراللہ نے مجھے وہ نعمت عطا کی کہ اگلوں اور پچھلوں میں سے کسی کو نہیں عطا کیا‘‘۔اسے دورایک درخت دکھائی دے گا۔وہ اللہ تعالیٰ سے کہے گا:یَا رَبِّ !أَدْنِیْنِیْ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ لِأَسْتَظِلَّ بِظِلِّھَا وَأَشْرَبَ مَاءَ ھَا ۔’’اے میرے رب!مجھے اس درخت کے قریب کر دے،تاکہ میں اس کا سایہ حاصل کرسکوں اوراس کا پانی پی سکوں‘‘۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا:اے ابن آدم!اگر میں تیری یہ مراد پوری کر دوں تو پھر کوئی اور چیز تو نہیں مانگے گا؟وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرے گا کہ میں اس کے بعد کسی چیز کا مطالبہ نہیں کروں گا۔اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری کر دے گا۔جب اس درخت کے پاس پہنچے گا تو اس کو دورایک اور درخت نظر آئے گا جو پہلے سے بہتر ہوگا۔وہ پھر درخواست کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم نے عہد نہیں کیا تھا کہ اس کے

بعد کسی چیز کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ وہ کہے گا کہ اب اس کے بعد کوئی چیز نہیں طلب کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے پاس پہنچا دے گا۔ وہاں پہنچنے کے بعد اسے جنت کے قریب ان دو درختوں سے بہتر درخت نظر آئے گا۔ وہ پھر درخواست گزار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس بار بھی اس کی مراد پوری کردے گا۔ جب وہ جنت کے قریب پہنچے گا تو اسے اہلِ جنت کی گفتگو سنائی دے گی۔ وہ پھر اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے ذرا جنت کے اندر داخل کردے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے بندے! آخر تو کس چیز سے راضی ہوگا؟ کیا تو اس بات سے راضی ہے کہ میں تجھے دنیا اور اس کے برابر ایک اور سلطنت عطا کروں؟ وہ کہے گا: پروردگار! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے، حالاں کہ تو رب العالمین ہے۔ راویٔ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مسکرا دیے۔ پھر فرمایا: تم مجھ سے مسکرانے کا سبب دریافت نہیں کروگے؟۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ بھی یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مسکرا دیے۔ جب سبب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میری مسکراہٹ) اللہ کے مسکرانے کی وجہ سے ہے۔ جب بندے نے کہا کہ کیا تو مجھ سے مذاق کرتا ہے، حالاں کہ تو رب العالمین ہے، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں مذاق نہیں کرتا ہوں۔ میں جو چاہوں کرنے پر قادر ہوں''۔

دوسروں کو خوش رکھنا بھی عظیم نیکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا: أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ وَأَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کے نزدیک محبوب انسان کون ہے؟ اور اعمال میں سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالىٰ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ سُرُوْرٌ تُدْخِلُهُ عَلٰى مُسْلِمٍ۔ (السلسلة الصحيحة) ''اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں اور سب سے پسندیدہ عمل وہ خوشی ہے جو تم کسی مسلمان کو پہنچاتے ہو''۔

مسکراہٹ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اسلام میں مسکراہٹ کی قدر کرنے اور مسکرانے والے کو یہ دعا دینے کی تعلیم ملتی ہے: أَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ۔ ''اللہ تمھیں شاد و آباد رکھے''، جیسا کہ درجِ ذیل حدیث میں وارد ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ازواجِ مطہرات تشریف فرماتھیں۔اتنے میں حضرت عمرؓ نے اندرآنے کی اجازت چاہی۔حضرت عمرؓ کی آواز سن کر سب پردے کی آڑ میں چلی گئیں۔اجازت ملنے پر حضرت عمرؓ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ مسکرارہے تھے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا:أَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ ،یارسول اللہ۔اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے،مسکرانے کی کوئی خاص وجہ؟ ۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ان عورتوں پر ہنسی آرہی ہے جو میرے پاس موجود تھیں ۔تمھاری آواز سنتے ہی یہاں سے بھاگ گئیں۔حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسولؐ! مجھ سے زیادہ آپ اس بات کے حق دار ہیں کہ وہ آپ کا لحاظ کریں۔پھر ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوے فرمایا:''اے اپنے نفس کی دشمنو!تم مجھ سے خوف کھاتی ہو اوراللہ کے رسول ﷺ سے نہیں ڈرتیں؟ انھوں نے فرمایا: آپ لہجے کے تُرش اور مزاج کے سخت ہیں،اس لیے ڈرتی ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ(کی اس سختی کی تعریف کرتے ہوے) فرمایا:وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا لَقِيَكَ شَيْطَانٌ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَكَ فَجًّا آخَرَ ۔(بخاری:باب صفۃ ابلیس وجنودہ)''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! شیطان اگر کسی راستے میں تمھیں پالے،وہ تم سے ڈر کر اپنا راستہ بدل لیتا ہے''۔

بہرحال! مسکرانا اسلام کی ایک اہم تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی ایک عظیم سنت ہے۔آج مسلمانوں نے اس سنت کو تقریباً بھلا دیا ہے،اور مسلمانوں کے دین دار طبقے کی توجہ بھی اس طرف نہیں ہے،جس کی وجہ سے اس کی ترش روئی اور سخت مزاجی مشہور ہے۔اس کے برخلاف عہد حاضر میں مسکرانا ایک فن بن چکا ہے۔چینیوں کا کہنا ہے کہ جو شخص مسکرانا نہ جانتا ہو،اسے کوئی تجارت نہیں کرنی چاہیے۔موجودہ دور میں مغربی اقوام کی ایک خاص پہچان ان کا تبسم ہے۔انھوں نے اس صفت کو اس قدر اہمیت دی کہ خندہ لبی کے بغیر مغرب میں کسی کا جینا تقریباً محال ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسکراہٹ مسلمانوں کی پہچان بنتی،اور وہ مسکرانے والی قوم کی حیثیت سے دنیا بھر میں اپنی شناخت بناتے،کیوں کہ یہ نہ صرف اسلام کی تعلیم ہے،بل کہ اسلام کی نظر میں ایک عظیم نیکی بھی ہے۔

خوشی کے آداب

انسان کی زندگی میں کبھی خوشی کے لمحات آتے ہیں تو کبھی غم کے لمحات سے اسے دوچار ہونا پڑتا ہے۔خوشی اورغم کے ان لمحات میں ایک مومن کو کیا کرنا چاہیے،اسلام نے اس کی طرف تفصیل سے رہنمائی فرمائی ہے۔

خوشی ایک فطری چیز ہے۔اسلام اس کے اظہار سے روکتا نہیں بل کہ اس کا اظہار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔کسی نیک عمل کی انجام دہی پر انسان کو خوشی ہوتی ہے۔گھر میں شادی کی محفل ہو یا کوئی اور تقریب، بچے کی ولادت ہو، یا کسی معزز مہمان کی آمد، کوئی عزیز دور دراز سفر سے واپس آجائیں یا کسی کو علم وفضل کا کوئی بلند مقام حاصل ہوجائے یا کسی میدان میں عروج واقبال نصیب ہو، کسی عزیز کی صحت یا خیریت کی خبر ملے،اس طرح کے تمام مواقع پر خوش ہونا اور خوشی منانا انسانی فطرت کا تقاضا ہے ۔اسلام نہ صرف خوشی منانے کی اجازت دیتا ہے بل کہ اس کو عین دین داری قرار دیتا ہے۔

نیک عمل پر خوش ہونا، ایمان کی علامت ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَ تْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔(ترمذی) ''جو اپنی نیکیوں سے خوش ہو اور گناہوں سے افسردہ ہو، وہی حقیقی مومن ہے''۔

مومن جب بھی کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے۔جب اللہ کی خاطر صبح سے لے کر شام تک بھوکا پیاسا رہ کر روزہ رکھتا ہے تو اسے ایک طرح کی لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔روزے دار کی خوشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ۔()

اللہ کی جانب سے ملنے والی نعمتوں پر بھی مومن کوخوشی ہوتی ہے۔اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کواللہ کے دربار میں جونعمتیں حاصل ہوں گی ،ان پران کی خوشی ذکرکرتے ہوے فرمایا گیا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۔(آل عمران: 170،169)''جولوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں،ان کوہرگز مردہ نہ سمجھیں،بل کہ وہ زندہ ہیں،اپنے رب کے پاس روزیاں دیے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انھیں دے رکھاہے،اس سے بہت خوش ہیں''۔

رومیوں اورورایرانیوں کے درمیان ایک مدت سے جنگیں جاری تھیں۔کبھی رومیوں کو فتح نصیب ہوتی تو کبھی ایرانیوں کو۔چوں کہ ایرانی بت پرست تھے،اس لیے مکہ والوں کی ہم دردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں اوررومی عیسائی اوراہل کتاب تھے،اس لیے مسلمانوں کی ہم دردیاں رومیوں کے ساتھ تھیں۔عہدمکی میں ایک مرتبہ جب ایرانیوں کورومیوں پر فتح حاصل ہوی تو مشرکین بہت خوش ہوے اورمسلمانوں کوایک طرح کاغم لاحق ہوا۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کوخوش خبری دیتے ہوے فرمایا: الم ۔غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔ فِيْ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۔فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْأَمْرُمِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔(الروم: 4-1)''الم۔رومی مغلوب ہوگئے ہیں۔نزدیک کی زمین پراوروہ مغلوب ہونے کے بعدعن قریب غالب آجائیں گے۔چندسال میں ہی ،اس سے پہلےاوراس کے بعدبھی اختیاراللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔اس روزمسلمان شادماں ہوں گے''۔

قرآن کی عظیم نعمت عطاہونے پرخوشی کااظہارکرنے کی تعلیم دیتے ہوے سورۂ یونس میں فرمایا گیا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَخَيْرٌمِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۔ (یونس: 58)''آپ کہہ دیجیے! لوگوں کواللہ کے اس انعام اوررحمت پرخوش ہوناچاہیے۔وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کووہ جمع کررہے ہیں''۔

خوشی کے اظہار کے اسلام نے کچھ اصول اورآداب بتائے ہیں،جن کالحاظ رکھناایک مسلمان کے لیےضروری ہے۔

خوشی اورغم دونوں کاتعلق اسلام سے ہے۔خوشی وہی ہے جس کواسلام خوشی کہےاورغم وہ ہے جس کواسلام غم کہے۔ بہت سے ایسے مواقع ہیں،جن میں مسلمان خوشی مناتے ہیں جب کہ اسلام کی نظر میں وہ خوشی کا موقع ہی نہیں۔مثلاً: اپنی پیدائش کے دن کوخوشی کا دن سمجھنااور ہرسال پابندی کے ساتھ اس دن برتھ ڈے منانا۔ بچے کی ولادت پر چالیس دن مکمل ہونے پر چھلہ کے نام سے خوشی منانا۔ بچی کی بلوغت پر گھر اور پڑوس کے افراد کوجمع کر کے خوشی منانا اورشادی بیاہ کے موقع پرمختلف ہندوانہ رسومات کے ذریعےخوشی کا اظہار کرنا۔ہجری یاعیسوی سال کے پہلے دن خوشی منانا،رسول اکرم ﷺ کی ولادت کی مناسبت سے ہرسال بارہ ربیع الاول کوجشنِ میلادالنبی منانا،شعبان کی پندرہویں شب کو اورشبِ معراج کومبارک سمجھ کراس دن عیدمنانا،اسی طرح مختلف اولیاء کایوم ِ ولادت منانااوران کی قبروں کے پاس عرس اورمیلہ لگانا۔غرض اس طرح کے بہت سے ایسےمواقع ہیں جن میں خوشی منائی جاتی ہے۔جوسراسرغیراسلامی طریقہ ہے،جس سے اجتناب کرناایک مسلمان کے لیےضروری ہے۔

رسول اکرم ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ پہنچےتو آپ ﷺ نے دیکھا کہ انصارسال میں دومرتبہ اظہارِخوشی کےطورپرعیدمناتے ہیں۔آپ ﷺ نے ان سےاس کے بارے میں دریافت کیاتوانھوں نے جواب دیا:''ہم زمانۂ جاہلیت سے ان دودنوں میں خوشی مناتے آرہے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ نےفرمایا:إِنَّ اللّٰـهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمُ الْأَضْحىٰ وَيَوْمُ الْفِطْرِ ۔(ابوداوٗد:باب صلاۃ العیدین)''اللہ تعالیٰ نےتمھیں ان سے بہتر دودن عطاکیے ہیں،وہ ہیں عیدالاضحیٰ اورعیدالفطر کےدن''۔

یعنی اسلام نےخوشی منانے کےایام مقررکردیے ہیں۔ان کےعلاوہ اپنی طرف سےعیداورخوشی منانےمواقع ایجادکرنا جائزنہیں۔

خوشی کے موقع پربھی ہم آزادنہیں کہ جیسے چاہیں اپنی خوشی کا اظہار کریں،بل کہ خوشی کے اظہار کےطریقے اسلام نےمقررکیے ہیں،خوشی کااظہارانھیں طریقوں کےمطابق ہوناچاہیے۔

اظہارِخوشی کے چندآداب :

1۔خوشی اور غم دونوں اللہ ہی کی جانب سے لاحق ہوتے ہیں۔ایک مسلمان کو چاہیے کہ غم کے وقت نہ تو حد سے زیادہ افسوس کرے اور نہ خوشی کے موقع پر اترا تا پھرے۔سورۂ حدید میں ارشاد ہے:لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاكُمْ ۔(الحدید:23)''تا کہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ''۔

2۔شکر بجالانا : سب سے پہلی تعلیم یہ دی گئی ہے کہ جب بھی ہمیں کوئی خوشی لاحق ہو تو اس پر اللہ کا شکر بجالائیں۔خوشی کے لمحات میں اکثر لوگ اپنے رب کو بھول جاتے ہیں اور اس کا شکر بجالانے میں کوتاہی کرتے ہیں۔حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں: بُلِيْنَا بِالضَّرَّاءِ فَصَبَرْنَا وَبُلِيْنَا بِالسَّرَّاءِ فَلَمْ نَشْكُرْ ۔()''ہمیں مصائب ومشکلات سے آزمایا گیا تو ہم نے صبر سے کام لیا اور جب خوش حالی کے ذریعے آزمایا گیا تو ہم شکر بجالانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

حضرت سلیمانؑ کی یہ خوبی بیان کی گئی کہ جب بھی انھیں اللہ کی جانب سے کوئی نعمت عطا ہوتی یا کوئی خوشی حاصل ہوتی تو فوراً اللہ کا شکر بجالاتے۔ایک مرتبہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے،ایک چیونٹی نے اپنے ساتھیوں سے کہا:يَاأَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ لَايَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُوْدُهُ وَهُمْ لَايَشْعُرُوْنَ ۔(النمل:18)''اے چیونٹیو!اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ،ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمھیں روند ڈالے''۔

حضرت سلیمانؑ خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں چیونٹی کی بولی کا علم عطا کیا۔اس موقع پر وہ اللہ تعالیٰ کا ان الفاظ میں شکر بجالائے : رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ ۔(النمل:19)''اے پروردگار!تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر''۔

ایک مومن کو سب سے زیادہ خوشی عبادتوں کی توفیق ملنے پر ہوتی ہے۔اس لیے مومن بندہ عبادتوں سے فارغ ہونے پر اللہ کا شکر بجالاتا ہے۔فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب سے پہلے وہ''اللہ اکبر''کہہ کر اللہ کی بڑائی بیان کرتا ہے۔پھر اس توفیق الٰہی پر اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے یہ

دعا پڑھتا ہے : رَبِّ أَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۔()''اے میرے رب! تیرا ذکر کرنے، شکر بجالانے اور تیری اچھی عبادت کرنے پر میری مدد فرما''۔

رمضان المبارک عبادتوں کا موسمِ بہار ہے۔اس مہینے میں عبادتوں کی توفیق ملنے پر مومن بندوں کو کثرت سے اللہ کی کبریائی بیان کرنے اور اس کا شکر بجالانے کا حکم دیا گیا۔سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔(البقرۃ:185)''اور تاکہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو''۔

3۔سجدۂ شکر:اللہ کے رسول ﷺ کو جب کوئی اہم خوشی لاحق ہوتی تو آپ سجدۂ شکر بجالاتے ۔ حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں:أَنَّـهُ كَـانَ اِذَا جَـاءَهُ أَمْـرُ سُرُوْرٍ أَوْ بُشِّرَ بِهِ خَرَّ سَاجِدًا شُكْرًا لِلّٰهِ ۔ (ابوداوٗد: کتاب الجھاد:باب فی سجود الشکر)''آپ ﷺ کو جب کوئی خوشی لاحق ہوتی یا آپ ﷺ کے پاس کوئی خوش خبری آتی تو اللہ کا شکر بجالاتے ہوے سجدے میں گر جاتے''۔

امت مسلمہ کی آپ ﷺ کو جو فکر تھی ،سیرت کا ایک ایک ورق اس پر شاہد ہے۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے حق میں دعا کی ۔جب اللہ نے دعا قبول فرمائی تو آپ ﷺ شکر بجالاتے ہوے سجدے میں گر گئے۔سنن ابی داوٗد میں حضرت ....سے مروی ہے،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:اِنِّـىْ سَـأَلْتُ رَبِّىْ وَشَفَعْتُ لِأُمَّتِىْ فَأَعْطَانِىْ ثُلُثَ أُمَّتِىْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا شُكْرًا لِرَبِّىْ ثُمَّ رَفَـعْـتُ رَأْسِـىْ فَسَـأَلْـتُ رَبِّـىْ فَأَعْطَانِىْ ثُلُثَ أُمَّتِىْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّىْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِـىْ فَسَـأَلْتُ رَبِّى لِأُمَّتِىْ فَأَعْطَانِى الثُّلُثَ الْآخِرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّىْ ۔''میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے حق میں سفارش کی ،اللہ تعالیٰ نے ایک تہائی امت کے حق میں سفارش قبول فرمائی تو میں اپنے رب کے لیے سجدۂ شکر بجالایا۔پھر میں اپنا سر اٹھایا اور اپنی امت کے حق میں دوبارہ سفارش کیا تو اللہ تعالیٰ پھر ایک تہائی امت کے حق میں دعا قبول فرمائی تو میں سجدۂ شکر بجالایا پھر میں اپنا سر اٹھایا اور بقیہ امت کے حق میں سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے بقیہ لوگوں کے حق میں بھی میری سفارش قبول فرمائی تو میں شکر بجالاتے ہوے سجدے میں گر گیا''۔(ابوداوٗد: کتاب الجھاد:باب فی سجود الشکر)

حضرت عبدالرحمٰن بن کعبؒ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالکؓ کی توبہ قبول فرمائی تو وہ سجدۂ شکر بجالائے۔ (ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا: باب ماجاء فی الصلاۃ والسجدۃ عند الشکر)

4۔خوشی کے موقع پر "اللہ اکبر" کہنا : خوشی کے موقع پر تکبیر کہنا بھی مسنون عمل ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ جنت میں تمھاری تعداد ایک چوتھائی ہو؟ صحابہ کرامؓ نے خوشی سے "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ جنت میں تمھاری تعداد ایک تہائی ہو؟ اس مرتبہ بھی مارے خوشی کے صحابہ کرامؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ جنت میں تمھاری تعداد نصف ہو؟ صحابہ کرامؓ نے خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی ہوگی، جیسے سیاہ بیل میں کوئی ایک سفید بال ہو یا سفید بیل میں کوئی ایک سیاہ بال ہو"۔ (مسلم: باب کون ھذہ الامۃ نصف اھل الجنۃ)

5۔اللہ کی حمد وثنا بیان کرنا: اللہ کے رسول ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی خوشی لاحق ہوتی تو اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے۔ حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی مشرک ماں کو اسلام کی دعوت دیتا رہا مگر وہ انکار کرتی رہیں۔ ایک مرتبہ جب میں نے اسلام کی دعوت دی تو اس نے اللہ کے رسول ﷺ کو بُرا بھلا کہا، میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس روتے ہوئے آیا اور فرمانے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ماں کی ہدایت کے لیے دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے ان کی ہدایت کے لیے دعا کی۔ میں اللہ کے رسول ﷺ کی دعا سے خوش ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جب میں دروازے کے پاس پہنچا تو اندر سے غسل کرنے کی آواز آئی۔ میری والدہ نے کہا: انتظار کرو۔ غسل سے فارغ ہو کر اور لباس پہن کر والدہ نے دروازہ کھولا اور شہادتین کا اقرار کر کے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں خوش خبری لے کر آیا ہوں۔ اللہ نے

آپ کی دعا قبول فرمالی ہے اور میری والدہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔خوشی کی وجہ سے میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہ خوش خبری سن کر اللہ کے رسول ﷺ اللہ کا شکر بجالائے اوراس کی حمد وثنا بیان کی۔(مسلم: باب من فضائل ابی هریرۃ الدوسی)

6۔نماز : خوشی کے بعض مواقع ایسے ہیں ،جن میں اظہارِ خوشی کے لیے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ۔ یہ سارے مسلمانوں کی اجتماعی خوشی کے دو اہم مواقع ہیں۔ان موقعوں پر اظہارِ خوشی کا ایک طریقہ یہ بتایا گیا کہ سارے مسلمان کھلے میدان میں جمع ہو کر شکرانے کے طور پر دو رکعت نماز ادا کریں۔

اسی طرح کسی ملک کے فتح ہونے پر آٹھ رکعت نماز ادا کرنا بھی سنت سے ثابت ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر آٹھ رکعت نماز ادا کیے۔() بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔امام ابن کثیرؒ علماء کے ایک گروہ کی رائے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''هِيَ صَلَاةُ الشُّكْرِ عَلَى النَّصْرِ عَلَى الْمَنْصُوْرِ ۔(البدایۃ والنھایۃ: ج:1/324)'' یہ شکرانے کی نماز ہے جو مخالفین کے مقابلے میں اللہ کی نصرت وتائید پر ادا کی گئی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَكَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ عِنْدَ فَتْحِ مَدِيْنَةٍ أَنْ يُّصَلِّيَ الْإِمَامُ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ شُكْرًا لِلّٰهِ وَيُسَمُّوْنَهَا صَلَاةَ الْفَتْحِ ۔(مجموع الفتاوی: ج:17/474) اہل اسلام اس امر کو مستحب قرار دیتے ہیں کہ کسی شہر کے فتح کرنے پر امام شکرانے کے طور پر آٹھ رکعت نماز ادا کرے۔اور وہ اس کو ''صلاۃ الفتح'' کہتے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: (فتح مکہ کے دن) آپ ﷺ ام ہانی کے گھر میں داخل ہوئے، غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز ادا کی۔بعض لوگوں نے اسے چاشت کی نماز سمجھا حالاں کہ یہ ''صلاۃ الفتح'' ہے

۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ مسلمان کمانڈر جب کسی قلعے کو یا کسی شہر کو فتح کرتے تو فتح کے بعد رسول اکرم ﷺ کی اقتداء میں یہ نماز ادا کرتے تھے''۔(زادالمعاد: ج:3/361)

7۔صدقہ وخیرات کرنا: خوشی کے موقع پر اللہ کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرنا چاہیے۔حضرت کعب بن مالکؓ تبوک کی جنگ میں سستی اور کاہلی کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے۔جب اللہ کے رسول ﷺ جنگ سے واپس لوٹے تو منافق جھوٹے بہانے پیش کرکے بچ گئے،مگر کعب بن مالکؓ نے سچائی سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکا۔انھیں اس غلطی کی یہ سزادی گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ کوئی ان سے بات چیت اور ملاقات نہ کرے اور اگر وہ سلام بھی کریں تو ان کا جواب نہ دے۔حضرت کعبؓ کو اپنی اس غلطی کا بہت احساس ہوا،وہ مسلسل اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے رہے۔آخر پچاس دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوی۔جب انھیں اس کی اطلاع دی گئی تو وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور اللہ کے رسول ﷺ سے فرمایا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِيْ اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَّالِيْ صَدَقَةً اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ،قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ ،قَالَ: أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ ۔قُلْتُ فَاِنِّيْ أُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِيْ بِخَيْبَرَ ۔(بخاری:باب حدیث کعب بن مالک)"اے اللہ کے رسول ﷺ!میری توبہ قبول ہونے کا شکریہ یہ ہے کہ میں اپنے کل مال سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے صدقہ کرکے اس دولت سے دست بردار ہوجاؤں"۔آپ ﷺ نے فرمایا:اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھ لو،یہ بہتر ہے۔میں نے عرض کیا:میں اپنا وہ حصہ جو خیبر میں ہے،اپنے پاس روک لوں گا"۔

صدقۂ فطر بھی حقیقت میں ایک شکرانہ ہے جو رمضان المبارک کے عظیم مہینے میں عبادت کی توفیق ملنے پر ایک مسلمان ادا کرتا ہے۔

8۔خوشی کے موقع پر مبارک باری دینا: خوشی کے موقع پر ایک دوسرے کو مبارک بادی دینا اظہارِ خوشی کا ایک ذریعہ ہے۔اسلام خوشی کے موقع پر آپس میں خوشی باٹنے اور خوشی کو عام کرنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔عید کے موقع پر صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے کو عید کی مبارک بادی دیا کرتے تھے۔

شادی بیاہ بھی خوشی کا ایک اہم موقع ہوتا ہے۔اس موقع پر دلہا اور دلہن کو مبارک بادی دینے کی

تعلیم دی گئی۔

ہرانسان کی زندگی میں بعض خوشی کے مواقع آتے ہیں، ایسے مواقع پر مبارک بادی دینا مسنون عمل ہے۔حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے میری توبہ فرمائی تو لوگ میرے پاس آئے اور مجھے مبارک باد دینے لگے، صحیح بخاری میں ہے، وہ فرماتے ہیں: فَيَتَلَقَّانِي النَّاسُ فَوْجًا فَوْجًا يهونني بِالتَّوْبَةِ يَقُولُونَ لِتَهْنِكَ تَوْبَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ ۔قَالَ كَعْبٌ :حَتّٰى دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا رَسُولُ اللّٰهِ جَالِسٌ حَوْلَهُ النَّاسُ فَقَامَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدُاللّٰهِ يُهَرْوِلُ حَتّٰى صَافَحَنِي وَهَنَّأَنِيُ ۔ پھر کہتے ہیں :فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ،قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ وَهُوَيَبْرُقُ وَجْهُهُ مِنَ السُّرُورِ:أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّعَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ ۔''راستے میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا، جو مجھے مبارک باد دے رہا تھا۔اور کہہ رہا تھا کہ اللہ کا یہ انعام تمھیں مبارک ہو۔کعبؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا۔اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوے تھے۔طلحہ بن عبیداللہؓ مجھے دیکھ کر دوڑتے ہوے آئے ،مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔۔کعبؓ کہتے ہیں کہ جب میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سلام کیا تو آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دن تمھیں مبارک ہو۔تمھاری پیدائش سے لے کر اب تک تمھاری زندگی میں اس سے بہتر دن نہیں آیا''۔

9۔اپنی خوشی میں دوسروں کو شریک کرنا: خوشی میں انسان اکثر دوسروں کو بھول جاتا ہے۔بعض لوگ اپنے قریبی رشتے داروں تک کو بھول جاتے ہیں۔یہ اچھی بات نہیں۔خوشی باٹنے سے خوشی میں اضافہ ہوتا ہے۔اس لیے اپنی خوشی میں دوسروں کو بھی شریک کرنا چاہیے۔شادی بیاہ کے موقع پر اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم اس خوشی کا اظہار لوگوں کے سامنے کریں۔رشتہ داروں کو اور پڑوسیوں کو اس خوشی میں شریک کریں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہجرت کر کے مدینہ آئے ۔یہاں نے انھوں نے تجارت کر کے خوب مال کمایا اور ایک دن شادی کر لی۔ہرے بھرے اور زرق برق لباس میں دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے حقیقتِ حال دریافت کیا۔تو انھوں نے فرمایا: میری شادی ہو چکی ہے۔آپ ﷺ نے

فرمایا: أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔()''دعوتِ ولیمہ کرو،ایک بکری ذبح کر کے ہی سہی''۔

خوشی کے موقعوں پر خصوصاً معاشرے کے غریب لوگوں کا خاص خیال رکھنے اور انھیں بھی اپنی خوشی میں شریک کرنے کا حکم دیا گیا۔اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے ولیمہ کو بدترین ولیمہ قرار دیا جس میں مال داروں کو دعوت دی جائے اور غریبوں کو نظر انداز کیا جائے۔(ابوداؤد:باب ما جاء فی اجابۃ الدعوۃ)

عید کے موقع پر عورتوں کو عید گاہ جانے کا حکم دیا گیا۔اور نادار اور غریب عورتوں کو بھی اس خوشی میں شریک کرنے کی تعلیم دی گئی۔حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں: أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضَ عَنْ مُّصَلَاهُنَّ ،قَالَتِ امْرَأَةٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ!إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ ،قَالَ :لِتَلْبَسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا ۔(بخاری:)''ہمیں حکم دیا گیا کہ عید کے دن حائضہ اور پردہ نشین عورتوں کو عید گاہ لے جائیں تاکہ وہ بھی مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک ہوسکیں۔البتہ حائضہ عورتیں نماز گاہ سے الگ رہیں۔ایک عورت نے دریافت کیا کہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:اس کی ہم جولی کو چاہیے کہ اسے اپنی چادر اڑھادے''۔()

عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا گوشت خود بھی کھانے اور غریبوں کو کھلانے کا حکم دیا گیا۔فرمایا گیا:فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ۔(الحج:)

10۔خوشی کے موقع پر اچھے اشعار گنگنانا:عیدین کے موقع پر اظہارِ خوشی کے لیے اچھے اشعار پڑھنے کی اسلام ہمیں اجازت دیتا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے دن میرے گھر میں دو انصاری لڑکیاں جنگ بعاث کے متعلق کچھ اشعار گنگنا رہی تھیں۔ابوبکرؓ گھر میں داخل ہوئے ،اور فرمایا:أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِیْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟ کیا رسول کے گھر میں شیطان یہ کے نغرے؟اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:يَا أَبَابَكْرٍ!إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا ۔اے ابوبکر!ہر قوم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید کا دن ہے''۔(بخاری:باب سنۃ العیدین لاھل الاسلام)

11۔شادی بیاہ کے موقع پر اظہارِ خوشی کے لیے دف بجانے ،جائز کھیل کود کا مظاہرہ کرنے کی

اجازت دی گئی۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: أَنَّهَا زَفَّتْ امْرَأَةً إِلَى رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِفَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ ! يَاعَائِشَةُ !مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ ۔''انھوں نے ایک عورت کا نکاح ایک انصاری شخص سے کرایا تو اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: کیا تمھارے پاس کھیل یعنی دف بجانے کے سامان نہیں ہیں؟ انصار تو (شادی کے موقع پر) اس طرح کے کھیل کو پسند کرتے ہیں''۔(بخاری: باب النسوۃ اللاتی یھدین المراۃ الی زوجھا)

حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ فرماتی ہیں کہ جب میں نکاح کے بعد اپنے شوہر کے گھر رخصت ہوکر آئی تو اللہ کے رسول ﷺ ہمارے یہاں تشریف لائے اور میرے بستر پر اسی طرح بیٹھ گئے جس طرح تم بیٹھے ہو (راوی حدیث خالد بن ذکوان سے انھوں نے یہ بات کہی) اور ہمارے خاندان کی بچیوں نے جو اس وقت گھر میں موجود تھیں، دف بجانا شروع کیا اور ہمارے آباء واجداد جو بدر کی جنگ میں شہید ہوے تھے، ان کی خوبیوں اور شجاعت پر مشتمل اشعار پڑھنے لگیں۔اسی دوران ایک بچی نے کہا: ہمارے درمیان وہ نبی ہے جو کل ہونے والی بات کو جانتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ بات کہو۔بل کہ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔(بخاری: باب ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ)

12۔عید کے دن اظہارِ خوشی کے لیے اسلام ہمیں کھیل کود کا مظاہرہ کرنے اور اور سیر وتفریح کرنے کی اجازت دیتا ہے۔حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں: دَخَلَ عُمَرُ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :دَعْهُمْ يَا عُمَرُ! فَإِنَّمَا هُمْ بَنُوْأَرْفِدَةَ ۔(عید کے دن) حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوے تو حبشی لوگ کھیل رہے تھے۔آپؓ نے انھیں ڈانٹا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! انھیں کھیلنے دو، یہ تو بنوارفدہ ہیں''۔(نسائی: باب اللعب فی المسجدی یوم العیدونظر النساءالی ذلک)

13۔عام خوشی کے موقع پر دعوت کرنا: خوشی کے بعض مواقع ایسے ہیں، جن میں رشتہ اور دوست واحباب کو دعوت دی جاسکتی ہے۔مثلا: کسی کو اللہ تعالیٰ نے گھر کی سہولت عطا کی، ایسے موقع پر شکرانِ نعمت کے طور پر دوست واحباب، اعزاء واقرباء کی دعوت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ صالح فوزانؒ نے فرمایا: ''نئے گھر میں نزول کی مناسبت سے فرحت وسرور کے طور پر دوستوں اور رشتہ داروں کو کھانا کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر اس کے پیچھے کوئی باطل عقیدہ نہ ہو۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ نئے گھر میں دعوت کرنے سے جن اور شیاطین کے شر سے حفاظت ہوگی، ورنہ جن اور شیاطین نقصان پہنچائیں گے تو یہ عمل جائز نہیں کیوں کہ یہ شرک اور باطل عقیدہ ہے''۔(المنتقی من فتاوی الفوزان۔ج:16/94)

اظہارِ غم کے آداب

انسانی زندگی میں کبھی خوشی اور مسرت کے مراحل آتے ہیں تو کبھی غم اور پریشانی کے مراحل آتے ہیں۔ ہر انسان خوشی سے زیادہ غم کے لمحات سے دوچار ہوتا ہے۔شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جو کسی نہ کسیِ غم اور پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔جس طرح اسلام میں خوشی منانے کے آداب بتائے گئے ہیں، اسی طرح اظہارِ غم کے بھی آداب بتائے گئے ہیں۔

دنیا کا ہر انسان خوف اور غم سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اور اس کی ساری دوڑ دھوپ اور سرگرمیوں کا مرکز ہی یہی ہوتا ہے۔اس کے باوجود شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جو خوف اور غم سے محفوظ ہو۔یہ انسان کی کم زوری ہے کہ جب بھی اسے کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو وہ غم گین ہوجاتا ہے۔جیسا کہ سورۂ معارج میں فرمایا گیا:اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا۔ (المعارج:20,19)ایسے موقع پر ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کا خوف اور غم دور ہو اور اسے سکون واطمینان نصیب ہو۔غم کے ایسے موقع پر سکون واطمینان کی دولت صرف اللہ کے نیک بندوں کو حاصل ہوتی ہے۔سورۂ حم السجدہ میں ارشاد ہے:اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔(حم السجدۃ:30)’’جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بل کہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا جارہا ہے‘‘۔

جنگِ بدر کے موقع پر رسول اکرم ﷺ مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت لے کر ملکِ شام سے آنے والے مکہ کے تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے نکلے۔مکہ والوں کو جب اس کی خبر ہوی تو وہ ایک

بڑا لشکر لے کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑے۔اس صورت حال سے مسلمان پریشان ہوگئے۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی پریشانی دور کر کے انھیں سکون واطمینان نصیب فرمایا۔سورۂ انفال میں فرمایا گیا:اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَالشَّیْطَانِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۔(الانفال:11)''اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا،اپنی طرف سے چین دینے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعے سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمھارے پاؤں جما دے''۔

احد کی جنگ میں کامیابی کے باوجود بعض مسلمانوں کی غلطی کی وجہ سے اسلامی لشکر کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ستر صحابہ شہید ہوے،اتنے ہی زخمی ہوے اور رسول اکرم ﷺ کو سخت چوٹیں آئیں اور آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوے۔اس موقع پر مسلمانوں کو جو غم اور پریشانی لاحق ہوی،اللہ تعالیٰ نے اس کو دور کیا اور مسلمانوں کو سکون واطمینان کی دولت نصیب فرمائی۔سورۂ آل عمران میں اسی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوے فرمایا گیا: ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۔(آل عمران:154)''پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی''۔

غم اور رنج کا اسلامی ہدایات:

ا۔تقدیر پر ایمان : غم اور پریشانی سے بچنے کا سب سے اہم ذریعہ تقدیر پر ایمان ہے۔جس قدر تقدیر پر ایمان کم زور ہوگا اسی قدر غم اور پریشانی میں اضافہ ہوگا۔ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ انسان جب اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اسی وقت اس کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے۔حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:اِنَّ اَحَدَكُمْ یُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا ثُمَّ یَكُوْنُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ یَكُوْنُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ یَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا فَیُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ وَیُقَالُ لَهٗ اكْتُبْ عَمَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَاَجَلَهٗ وَشَقِیٌّ اَمْ سَعِیْدٌ ثُمَّ یُنْفَخُ فِیْهِ الرُّوْحُ ۔

(بخاری:باب ذکر الملائکۃ)''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش ماں کے پیٹ میں مکمل کی جاتی ہے،وہ چالیس دن تک نطفے کی حالت میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن علقہ کی حالت میں رہتا ہے، پھر چالیس دن مضغہ کی حالت میں رہتا ہے۔پھراللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو چار باتوں کا حکم دے کراس کے پاس بھیجتا ہے۔اوراس سے کہا جاتا ہے کہ اس کا عمل ،اس کا رزق اوراس کی عمر لکھ دے اور یہ بھی کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت ہے۔پھراس میں روح پھونک دی جاتی ہے''۔

انسان کو وہی غم اور پریشانی لاحق ہوتی جواللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے۔سورۂ حدید میں ارشاد ہے:مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا۔(الحدید:22)''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے،نہ تمھاری جانوں میں مگراس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں،وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کونصیحت کرتے ہوے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّابِشَيْءٍ قَدْكَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔(ترمذی:)

جب مومن کا تقدیر پرایمان مضبوط ہوگا تو ہر طرح کے غم کو سہنے اور ہرطرح کی پریشانی کو برداشت کرنے کے لیے وہ تیار ہوگا۔

۲۔غم اور پریشانی پرصبر: جس طرح خوشی کے لمحات آزمائش ہیں،اسی طرح غم کے لمحات بھی آزمائش ہیں۔سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے:وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّوَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۔(الانبیاء:35)''ہم تم کو برائی اور بھلائی کے ذریعے آزماتے ہیں''۔

آزمائشوں میں صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ۔(البقرۃ:155)''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمھاری آزمائش ضرور کریں گے،دشمن کے ڈر سے،بھوک

پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنے والوں کے لیے خوش خبری دیجیے''۔

غم اور پریشانی میں صبر کرنا دخولِ جنت کا باعث ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مَا مِنِ امْرِئٍ أَوِ امْرَأَةٍ مُّسْلِمَةٍ يَمُوتُ لَهَا ثَلَاثَةُ أَوْلَادٍ يَحْتَسِبُهُمْ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمُ الْجَنَّةَ۔ (احکام الجنائز، صحیحہ الالبانی) ''جس کے دو یا تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ ان پر ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے اسے جنت میں داخل فرمائے گا''۔

۳۔ غم اور پریشانی میں شکر کا پہلو: اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمتیں عطا کی ہیں، اگر اس پر نظر ہو تو غم اور پریشانی میں بھی اسے شکر کا پہلو نظر آئے گا۔ امام شریحؒ فرماتے ہیں: إِنِّي لَأُصَابُ بِالْمُصِيبَةِ فَأَحْمَدُ اللّٰهَ عَلَيْهَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ۔ أَحْمَدُ إِذْ لَمْ يَكُنْ أَعْظَمَ مِنْهَا۔ وَأَحْمَدُ إِذْ رَزَقَنِي الصَّبْرَ عَلَيْهَا وَأَحْمَدُ إِذْ وَفَّقَنِي لِلِاسْتِرْجَاعِ لِمَا أَرْجُو مِنَ الثَّوَابِ وَأَحْمَدُ إِذْ لَمْ يَجْعَلْهَا فِي دِينِي۔ ''جب مجھے کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو اس پر چار مرتبہ شکر ادا کرتا ہوں۔ ۱۔ ایک اس لیے کہ اللہ نے اس سے بڑی تکلیف میں مبتلا نہیں کیا۔ ۲۔ اس پر بھی شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس تکلیف پر صبر کی توفیق نصیب فرمائی۔ ۳۔ اس بات پر بھی کہ اس نے مجھے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنے کی توفیق عطا کی۔ ۴۔ اور اس بات پر کہ یہ تکلیف میرے دین کی آزمائش کا سبب نہیں بنی''۔ (السیر :105/4)

ایک شخص حضرت یونس بن عبیدؒ کے پاس آیا اور اپنی معاشی بدحالی کی شکایت کرتے ہوئے غم کا اظہار کرنے لگا۔ تو انھوں نے فرمایا: کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ تمھاری آنکھوں کے بدلے ایک لاکھ روپے دیے جائیں؟ اس نے کہا: ہرگز نہیں۔ کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ تمھارے کان کے بدلے ایک لاکھ روپے دیے جائیں۔ اس نے کہا: نہیں۔ پھر فرمایا: کیا تمھیں پسند ہے کہ تمھاری زبان کے بدلے ایک لاکھ روپے دیے جائیں۔ اس نے پھر نفی میں جواب دیا۔ پوچھا کہ تم کو یہ بات پسند ہے کہ تمھاری عقل کے بدلے ایک لاکھ روپے دیے جائیں؟ اس نے کہا: نہیں۔ حضرت یونسؒ نے اللہ کی اور بہت ساری نعمتوں کے بارے میں سوال کیے۔ وہ ہر سوال کے جواب میں نفی میں جواب دیتا۔ حضرت یونسؒ نے فرمایا: اتنی سینکڑوں نعمتیں تمھیں حاصل ہیں، پھر بھی تم شکوے شکایتیں کر رہے ہو؟ (السیر :292/6)

۴۔نماز : غم اور پریشانی کا ایک اہم علاج نماز بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نماز سے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (البقرۃ:153)''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو''۔

اللہ کے رسول ﷺ کو جب بھی کوئی تکلیف یا پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ﷺ نماز کا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے: كَانَ النَّبِيُّ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى ۔(ابوداؤد: باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل)''آپ کو کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو نماز پڑھتے''۔

حضرت ابراہیمؑ جب اپنی بیوی کے ساتھ ملک شام ہجرت کرنے لگے تو راستے میں ایک کافر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ ایک خوب صورت عورت ہے۔اس نے سارہ کو اپنے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا اور ان سے بدکاری کرنے کی غرض کی سے آگے بڑھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس بدطینت سے حضرت سارہؑ کی حفاظت فرمائی۔حضرت سارہؑ جب حضرت ابراہیمؑ سے جدا ہوئیں، اسی وقت ابراہیمؑ نماز میں مشغول ہوگئے اور اس وقت تک نماز میں مصروف رہے جب تک کہ حضرت سارہؑ واپس نہ آئیں۔اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی اس نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؑ کو اس بڑی پریشانی سے نجات دی۔

۵۔دعا : غم اور پریشانی کو دور کرنے کا ایک اہم ذریعہ دعا ہے۔رسول اکرم ﷺ سے بے شمار دعائیں ثابت ہیں، جنہیں آپ پریشانی کے وقت پڑھا کرتے تھے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: كَانَ إِذَا كَرَبَهُ أَمْرٌ قَالَ: يَاحَيُّ يَاقَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ ۔(صحیح الجامع الصغیر:۴۷۷۷)رسول اللہ ﷺ کو جب کبھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو یہ دعا پڑھتے: يَاحَيُّ يَاقَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ. ''اے زندہ اور قائم رہنے والے(پروردگار) میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں''۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: دَعْوَةُ ذِي

النُّوۡنِ اِذۡ دَعَا وَهُوَ فِیۡ بَطۡنِ الۡحُوۡتِ لَااِلٰهَ اِلَّااَنۡتَ سُبۡحَانَكَ اِنِّی کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ۔ اِنَّهٗ لَمۡ یَدۡعُ بِهَا مُسۡلِمٌ فِیۡ شَیۡءٍ قَطُّ اِلَّا اسۡتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا ۔ (ترمذی، کتاب الدعوات) ''حضرت یونسؑ کی یہ دعا جوانہوں نے اس وقت کی تھی جب کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے: ''(الٰہی!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں ہو گیا''۔ جو بھی مسلمان اپنی کسی مصیبت میں پڑھے گا اللہ اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے مصیبت سے نجات دلائے گا''۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: مَا مِنۡ عَبۡدٍ تُصِیۡبُهٗ مُصِیۡبَةٌ فَیَقُوۡلُ: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّااِلَیۡهِ رَاجِعُوۡن اَللّٰهُمَّ اجۡرُنِیۡ فِی مُصِیۡبَتِیۡ وَاخۡلُفۡ لِیۡ خَیۡرًامِّنۡهَا، اِلَّا أَجَّرَهُ اللّٰهُ فِیۡ مُصِیۡبَةٍ وَأَخۡلَفَ لَهٗ خَیۡرًا مِّنۡهَا ۔ ''جس شخص کو کوئی تکلیف یا پریشانی لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّااِلَیۡهِ رَاجِعُوۡن اَللّٰهُمَّ اجۡرُنِیۡ فِی مُصِیۡبَتِیۡ وَاخۡلُفۡ لِیۡ خَیۡرًامِّنۡهَا (جس کا معنی یہ ہے: ہم بیشک اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اے اللہ! اس مصیبت میں میری مدد فرما اور اس سے بہتر بدلا عطا فرما) تو اللہ تعالی اس مصیبت میں اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کو بہتر بدلے سے نوازتا ہے''۔ (مسلم۔ باب ما یقال عند المصیبۃ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب کسی رنج وغم میں مبتلا ہوجاتے تو یہ دعا کرتے: لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ الۡعَظِیۡمُ الۡحَلِیۡمُ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ،لَ االٰه اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الۡأَرۡضِ وَرَبُّ الۡعَرۡشِ الۡکَرِیۡمِ ۔(بخاری: باب الدعاء عند الکرب) ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش عظیم کا مالک ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آسمان اور زمین کا رب ہے اور عرش بزرگ کا مالک ہے''۔

رنج اور غم کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ اس دعا کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ أَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ أَعُوۡذُ بِكَ مِنَ الۡهَمِّ وَالۡحُزۡنِ وَضَلَعِ الدَّیۡنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ ۔(ابوداؤد: باب فی الاستعاذۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بندے کو کوئی دکھ یا تکلیف پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے اس کے رنج وغم کو خوشی اور مسرت

میں بدل دیتا ہے۔وہ دعا یہ ہے: أَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُ كَ ،أَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوِ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ رَبِيعَ قَلْبِي وَنُورَبَصَرِي وَجَلَاءَ حُزْنِي وَذَهَابَ هَمِّي ۔(السلسلة الصحيحة)''اے اللہ!میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور تیری بندی کا بیٹا ہوں۔میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔تیرا ہی فیصلہ میرے معاملے میں نافذ ہے۔تیرا ہر حکم میرے بارے میں انصاف پر مبنی ہے۔میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنے لیے رکھ لیا ہے، یا جو تو نے اپنی کتاب نازل فرمایا ہے، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے پاس خزانہ غیب میں مستور رکھا ہے کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، میری آنکھوں کا نور، میرے غم کا علاج اور میرے دکھ درد کا مداوا بنا دے''۔

٦۔نبی ﷺ پر درود بھیجنا : اللہ کے نبی پر کثرت سے درود بھیجنا بھی غم اور پریشانی دور کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے،انھوں سول اکرم ﷺ سے فرمایا:إِنِّي أُكْثِرُالصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي ؟اے اللہ کے رسول!میں آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجا کرتا ہوں، بتایئے کہ میں اپنی دعا کا کتنا حصہ آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے لیے مختص کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو۔ابیؓ نے پھر پوچھا: کیا ایک چوتھائی حصہ؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَخَيْرٌ لَكَ ۔جتنا تم چاہو، اگر تم اس سے بھی زیادہ درود بھیجو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔پھر انھوں نے پوچھا: کیا اپنی دعا کا آدھا حصہ آپ ﷺ پر درود کے لیے مختص کرلوں؟ پھر آپ ﷺ نے وہی جواب دیا۔تو ابیؓ نے پھر پوچھا: کیا دو تہائی حصہ آپ ﷺ پر درود بھیجوں؟ آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ابیؓ نے پھر سوال کیا:أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا ۔کیا میں ساری دعا صرف آپ ﷺ پر درود بھیجتا رہوں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:إِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُغْفَرُلَكَ ذَنْبُكَ ۔''تب تو تمھاری ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی اور تمھارے گناہ بخش دیے جائیں گے''۔(ترمذی:بـاب

اذکراللہ)

غم اور پریشانی کے سلسلے میں کچھ اہم ہدایات یہ بھی ہیں :

ا۔آنسو بہانا: سب سے بڑا غم انسان کو اس وقت لاحق ہوتا ہے، جب اس کے کسی عزیز یا رشتہ دار کا انتقال ہوجائے ۔ایسے موقع پر انسان نہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکتا ہے اور نہ اپنے غم کو دبا سکتا ہے۔اسلام نے شرعی حدود میں رہتے ہوے اظہارِغم کی اجازت دی۔ غم کی وجہ سے آنسو بہانا شرعی تعلیمات کے منافی نہیں ہے۔حضرت اسامہ بن زیدؓفرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی صاحب زادی نے آپ کو پیغام بھیجا۔ جب کہ میں،سعد بن عبادہؓ اور ابیؓ بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوے تھے ۔(پیغام یہ تھا کہ) میرا بیٹا(یا بیٹی)نزع کے عالم میں ہے۔آپ ﷺتشریف لائیں۔آپ ﷺ نے جواب میں سلام بھیجا اور فرمایا: ان سے کہو:اِنَّ لِلّٰہِ مَا أَخَذَ وَ مَا أَعْطیٰ وَ کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہُ مُسَمًّی فَلْتَحْتَسِبْ وَلْتَصْبِرْ ۔''اللہ جو لے لے اور جو دے،سب اسی کا ہے اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔لہٰذا انھیں چاہیے کہ (اس پریشانی میں)ثواب کی امید رکھیں اور صبر سے کام لیں۔انھوں نے دوبارہ قسم کا واسطہ دے کر بلا بھیجا۔آپ تشریف لے گئے ۔بچے کو آپ ﷺ کی گود میں دے دیا گیا جب کہ وہ دم توڑ رہا تھا۔رسول اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے ۔حضرت سعدؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ھٰذِہٖ رَحْمَۃٌ وَضَعَھَا اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِہٖ وَلَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ اِلَّا الرُّحَمَاءُ۔'' بے شک یہ رحمت کا جذبہ ہے۔اللہ اپنے بندوں میں سے جن کے دلوں میں چاہے ڈال دیتا ہے۔اور اللہ انھی بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں''۔(بخاری: باب عیادۃ الصبیان)

۲۔کسی تکلیف اور حادثے پر اظہارِ غم ایک فطری بات ہے مگر اس موقع پر ایسی کوئی حرکت نہیں ہونی چاہیے جو شرعی تعلیمات کے خلاف ہو یا ایسا کوئی جملہ نہیں ادا کرنا چاہیے جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہو۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے فرزند ابرہیمؑ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تَدْمَعُ الْعَیْنُ وَیَحْزُنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضیٰ رَبُّنَا وَاللّٰہِ یَا اِبْرَاھِیْمُ اِنَّا بِكَ

لَمَحْزُوْنُونَ۔(مسلم:باب رحمتہ ﷺ الصبیان)

کسی کے انتقال پر دھاڑیں مار مار کر رونا، گریبان چاک کرنا، گالوں پر طمانچے مارنا، چیخنا چلانا اور ماتم میں سر، سینہ پیٹنا مومن کے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔ ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو گال پیٹتا ہے، گریبان پھاڑتا ہے، اور جاہلیت کی طرح چیختا چلاتا ہے اور بین کرتا ہے''۔(بخاری: باب لیس منا من شق الجیوب)

حضرت جعفر جب شہید ہوے اور ان کی شہادت کی خبر ان کے گھر پہنچی تو ان کے گھر کی عورتیں چیخنے چلانے اور ماتم کرنے لگیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہلا بھیجا کہ ماتم نہ کیا جائے مگر وہ باز نہ آئیں تو آپ ﷺ نے دوبارہ منع فرمایا پھر بھی وہ نہیں مانیں تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے منہ میں خاک بھر دو۔(بخاری: باب ما ینھی عن النوح والبکاء والزجر)

سوگ منانے کی شرعی حیثیت : کسی میت پر اظہارِ غم کے طور پر ماتم کرنا اور سوگ منانا نہ واجب ہے اور نہ مستحب ہے۔ سوائے اس عورت کے جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہو۔ وہ چار مہینے دس دن تک سوگ کی حالت میں رہے گی، جسے عدت کہتے ہیں۔ وہ ان ایام میں بناؤ سنگھار کرنے، کسی بھی قسم کا زیور پہننے، نئے اور خوب صورت کپڑے پہننے اور بلاضرورت گھر سے باہر جانے سے باز رہے گی۔

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے رشتے دار کا انتقال ہو جائے تو اسلام نے عورت کو تین دن سوگ منانے کی اجازت دی ہے۔ حضرت ام عطیہؓ کا بیٹا فوت ہو گیا تو انھوں نے تیسرے دن زرد رنگ کی خوش بو منگوا کر اپنے بدن پر لگائی اور فرمایا کہ ہمیں خاوند کے علاوہ اور کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔(بخاری: باب احداد المراۃ علی غیر زوجھا)

حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ کی وفات کی خبر آئی تو (ان کی بیٹی) ام حبیبہؓ نے تیسرے دن خوش بو منگوائی اور اپنے گالوں اور بازوؤں پر مل لیا اور فرمایا: مجھے خوش بو کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا ہے: جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان

رکھتی ہو،اس کو کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا درست نہیں ،البتہ خاوند پر چار مہینے دس دن سوگ کرے۔(بخاری:باب احداد المرأة)

مردوں کو سوگ منانے یا ماتم کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔انھیں تکفین اور تدفین سے فارغ ہونے کے بعد اپنے معمول کے کاموں میں لگ جانا چاہیے۔رسول اکرم ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہؓ اور چچا ابوطالب کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے ان کا سوگ نہیں منایا۔

۳۔غم اور تکلیف جب حد سے بڑھ جائے تو انسان پریشان ہوجاتا ہے۔بسا اوقات تکالیف اور پریشانیوں سے تنگ آکر موت کی تمنا کرنے لگتا ہے۔اسلام نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔تکلیف کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، بیماری کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو،موت کی تمنا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ایسے موقع پر اس طرح دعا کرنا چاہیے:اَللّٰھُمَّ أَحْیِنِیْ مَاکَانَتِ الْحَیَاةُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ ۔(مسلم:باب تمنی کراهة الموت لضر نزل به)''اے اللہ!جب تک میرے حق میں زندہ رہنا بہتر ہو، مجھے زندہ رکھ اور جب میرے حق میں موت ہی بہتر ہو تو مجھے موت دے دے''۔

۴۔دکھ درد میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا : رشتہ داروں اور دوست واحباب کے دکھ درد میں شریک ہونا،غم ہلکا کرنے میں ان کا تعاون کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:مَا مِنْ مُؤْمِنٍ یُعَزِّیْ أَخَاهُ بِمُصِیْبَتِهٖ اِلَّا کَسَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مِنْ حُلَلِ الْکَرَامَةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ۔(ابن ماجہ:باب ماجاء فی ثواب من عزی مصابا)''جو مسلمان اپنے بھائی کو مصیبت اور پریشانی میں تسلی دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے عزت اور شرافت کا عمدہ لباس پہنائے گا''۔

حضرت جعفرؓ جب شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:جعفر کے گھر کھانا بھجوادو،اس لیے کہ آج وفورِ غم میں ان کے گھر والے کھانا نہ پکا سکیں گے۔(ابوداؤد:باب صنعة الطعام لاھل المیت)

اسی سلسلے میں آپ ﷺ نے اس کی بھی تاکید فرمائی کہ جنازے میں شرکت کی جائے ۔حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:جو شخص جنازے میں شریک

ہوااور جنازے کی نماز پڑھی تو اس کوایک قیراط بھر ثواب ملے گااور جونماز جنازہ کے بعد دفن میں بھی شریک ہواتو اس کو دو قیراط ملیں گے۔کسی نے پوچھا: دو قیراط کتنے بڑے ہوں گے؟ فرمایا: دو پہاڑوں کے برابر۔(بخاری: باب من انتظر حتی تدفن)

بازار کے آداب

معاشرتی زندگی کا ایک اہم حصہ بازار ہے، جو انسانی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے انسان ضروریاتِ زندگی کے سامان حاصل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شہر، بل کہ ہر بستی میں بازار پائے جاتے ہیں۔ اسلام نے بازار کے آداب اور احکام بھی بتائے ہیں، جن میں سے چند یہاں ذکر کیے جارہے ہیں:

1۔ضروریات کی تکمیل کے لیے بازار جانا چاہیے : کسبِ معاش اور تجارت کی غرض سے بازار جانا نہ صرف مستحب ہے، بل کہ باعثِ اجر وثواب ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: بَابُ مَاذُکِرَ فِی السُّوقِ ۔''بازار کے بارے میں وارد احادیث کا بیان''۔ حافظ ابن حجرؒ ابن بطالؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''عہد نبوی میں بھی بازار موجود تھے۔ اجلۂ صحابہ حصولِ معاش کے لیے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچنے کے لیے ان کا رخ کیا کرتے تھے۔(فتح الباری :4/429)

ابتدائے اسلام میں بعض صحابہ کرامؓ بازاروں میں جانے سے اس لیے احتیاط برتتے تھے کہ وہاں حلال وحرام کی تمیز کم کی جاتی ہے، تجارت میں ناجائز طریقوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اور بہت سارے مفاسد پائے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''زمانۂ جاہلیت میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز نامی بازار تھے۔ چوں کہ ان جگہوں میں بہت ساری خرابیاں پائی جاتی تھیں، اس لیے جب اسلام آیا تو مسلمان ان بازاروں میں خرید وفروخت کرنے کو گناہ سمجھنے لگے۔ تب یہ آیت نازل ہوی: لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ (البقرہ:۱۹۸)''تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں''۔

لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو اسلام ناپسند کرتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے معاشی جدوجہد کرنے کا حکم دیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لَأَنْ یَأْخُذَ أَحَدُکُمْ حَبْلَةً فَیَأْتِیَ بِحَزْمَةِ الْحَطَبِ عَلٰی ظَهْرِهٖ فَیَبِیْعَهَا فَیَکُفَّ اللّٰهُ بِهَا

وَجُهَهُ خَيُرٌ مِّنُ أَنُ يَّسُأَلَ النَّاسَ أَعُطُوهُ أَوُ مَنَعُوهُ۔(بخاری:باب الاستعفاف عن المسالۃ) ''تم میں سے کوئی شخص رسی لے کر جنگل جائے اور لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر(بازار)لے آئے اور اس کو بیچے،جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو آگ سے بچائے یہ بہتر ہے اس بات سے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے،وہ چاہے تو دیں،چاہے تو نہ دیں''۔

بعض لوگ بازار جانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے بھی بازار نہیں جاتے،یہ بھی غلط تصور ہے۔اللہ کے رسول ﷺ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے بنفس نفیس بازار تشریف لے جایا کرتے تھے،اور نبوت سے پہلے تو آپ نے تجارتی اغراض کے لیے بڑے بڑے بازاروں کا رخ فرمایا تھا۔

مکہ کے مشرکین کو اس بات پر اعتراض تھا کہ یہ رسول بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔قرآن نے ان کے اعتراض کو یوں نقل کیا ہے:مَا لِهٰذَاالرَّسُوُلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمُشِیُ فِی الْأَسُوَاقِ ۔(الفرقان:۷) ''یہ کیسا رسول ہے،جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے''۔آگے اس کا جواب دیا گیا:وَمَاأَرُسَلُنَا قَبُلَكَ مِنَ الْمُرُسَلِيُنَ إِلَّا إِنَّهُمُ لَيَأْكُلُوُنَ الطَّعَامَ وَيَمُشُوُنَ فِی الْأَسُوَاقِ ۔(الفرقان:۲۰) ''اے نبیؐ!ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے،وہ سب بھی کھانا کھانے والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی تھے''۔

صحابہ کرامؓ بھی خرید و فروخت کے لیے اور ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے بازاروں کا قصد کیا کرتے تھے۔ہجرت کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ کے مہاجرین کا بھائی چارہ مدینہ کے انصار سے کروایا۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی مواخاۃ حضرت سعد بن ربیعؓ سے ہوی تھی۔حضرت سعدؓ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ میں اپنے مال کے دو حصے کر دیتا ہوں،ان میں سے ایک تم لے لو۔میری دو بیویاں ہیں،میں ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں،عدت گزرنے کے بعد تم ان سے شادی کرلو۔حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا:اللہ تعالیٰ تمھارے اہل وعیال اور مال ومنال میں برکت عطا کرے۔مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔بس بازار کا راستہ بتادو۔پھر وہ بازار میں گئے اور خرید وفروخت کرنے لگے۔اللہ نے اس قدر برکت دی کہ ان کا شمار مدینہ کے بڑے مال داروں میں ہونے لگا۔

حضرت ابوبکرؓ کا شمار اہلِ ثروت صحابہ میں ہوتا تھا۔آپؓ بھی تجارت کی غرض سے عرب کے

بڑے بڑے بازاروں کا رخ کرتے تھے۔خلیفہ بننے کے بعد بھی ایک مدت تک تجارت کرتے رہے۔

حضرت عمرؓ، بعض احادیث کا علم نہ ہونے کا سبب خرید وفروخت اور بازار کی مصروفیت قرار دیتے ہیں۔ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمر بن خطابؓ سے ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ تین مرتبہ اجازت طلب کی۔عمرؓ کسی کام میں مصروف تھے، جواب نہیں دے سکے۔ابوموسیٰ اشعریؓ واپس چلے گئے۔کام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے گھر والوں سے کہا: تم نے عبداللہ بن قیسؓ کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت کیوں نہیں دی؟ انھوں نے کہا: وہ تو واپس لوٹ گئے۔آپؓ نے ان کو طلب کیا اور لوٹ جانے کی وجہ دریافت کی۔انھوں نے رسول اکرم ﷺ کی حدیث سنائی کہ تین مرتبہ اجازت طلب کرو۔اجازت نہ ملنے پر واپس لوٹ جاؤ۔حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آیا۔کہا کہ دلیل پیش کرو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔وہ انصار کی مجلس میں گئے اور سارا واقعہ بیان کر کے گواہی دینے کی درخواست کی۔لوگوں نے کہا کہ اس کی گواہی تو ہمارا یہ چھوٹا بچہ ابوسعید خدریؓ ہی دے سکتا ہے۔ابوسعید خدریؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے گواہی دی کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے۔حضرت عمرؓ کہنے لگے: أَخَفِیَ هٰذَا عَلَیَّ مِنْ أَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، أَلْهَانِیَ الصَّفَقُ بِالْأَسْوَاقِ ۔(بخاری) ''اللہ کے رسول کی یہ حدیث مجھ سے مخفی رہی۔بازاروں میں خرید وفروخت میں مشغول رہنے کی وجہ سے میں اس سے غافل رہا''۔

صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر صحابہ کی اکثریت بازاروں میں تجارت کیا کرتی تھی۔حضرت ابوہریرہؓ رسول اکرم ﷺ کی صحبت میں صرف تین چار سال رہے۔اس کے باوجود سب سے زیادہ احادیث انھی سے مروی ہیں۔کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ اتنی مختصر مدت میں اتنی زیادہ احادیث کیسے محفوظ کر لیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے وہ خود فرماتے ہیں کہ میرے مہاجر بھائی بازاروں میں خرید وفروخت میں مصروف رہتے اور انصاری بھائی کھیتی باڑی اور زراعت میں مصروف رہتے، جب کہ میں بھوکا پیاسا رسول اکرم ﷺ کے ساتھ چمٹا رہتا۔میں اس وقت بھی آپ کے پاس موجود ہوتا جب ان میں کا کوئی نہیں ہوتا تھا، اور میں آپ ﷺ سے حدیثیں یاد کرتے رہتا جب سب اپنی دنیوی مصروفیات میں مشغول رہتے۔(بخاری: باب الطیب للجمعة)

2۔ بلاوجہ بازاروں میں گھومنا پھرنا، یا ضرورت سے زیادہ بازاروں میں وقت گزارنا ناپسندیدہ

ہے۔حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ’’سب سے پہلے بازار میں داخل نہ ہونا اور (جلد بازار سے نکلنا)، سب سے آخر میں بازار سے نہ نکلنا، کیوں کہ بازار شیطان کی جگہیں ہیں۔ وہیں شیطان اپنا جھنڈا گاڑتا ہے۔(مسلم: باب من فضائل اُم سلمۃ)

امام نوویؒ لکھتے ہیں: ’’اس حدیث میں اشارہ ہے کہ شیطان اور اس کا لشکر بازاروں میں موجود ہوتا ہے۔ان کا کام لوگوں کو آپس میں لڑانا اور ان کو برائیوں پر آمادہ کرنا ہوتا ہے‘‘۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم: ج8/9)

لہٰذا ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد جلدی نکل جانا چاہیے۔ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بازار کو سب سے بدترین جگہ قرار دیا ہے۔اس کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

لِأَنَّهَا مَحَلُّ الْغِشِّ وَالْخِدَاعِ وَالرِّبَاوَالْأَيْمَانِ الْكَاذِبَةِ وَإِخْلَافِ الْوَعْدِ وَالْإِعْرَاضِ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّافِيْ مَعْنَاهُ۔(ایضًا: ج2/475) ’’اس کی وجہ یہ ہے کہ بازار دھوکہ دہی، سود، جھوٹی قسم، جھوٹے وعدے، ذکر الٰہی سے غفلت اور ان جیسی برائیوں کی جگہ ہے‘‘۔

3۔بازار میں داخل ہوتے وقت دعا پڑھنا چاہیے : اسلام نے ہر کام کی انجام دہی کے لیے دعا سکھلائی ہے۔بازار میں داخل ہوتے وقت بھی ہمیں دعا سکھلائی گئی ہے، جس کا اہتمام کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔اس دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ :لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَحَيٌّ لَايَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُوَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ .كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحَا عَنْهُ أَلْفَ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَبَنٰى لَهُ بَيْتًافِي الْجَنَّةِ ۔(ابن ماجہ: باب الاسواق ودخولها) ’’جو شخص بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے: ’’لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَحَيٌّ لَايَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُوَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ‘‘ ۔تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، دس لاکھ گناہ اس کے مٹا دیتا ہے اور جنت میں اس کے لیے ایک گھر بناتا ہے‘‘۔

4۔بازار میں ذکر الٰہی اور نیک کاموں کا اہتمام کرنا چاہیے: بازار میں خرید وفروخت میں لگ کر عام طور پر ذکرِ الٰہی، نماز اور عبادات سے غفلت برتی جاتی ہے، لیکن ایک مومن کی یہ صفت بتائی گئی کہ وہ

یہاں بھی اللہ کی یاد اور عبادات سے غافل نہیں ہوتا۔ فرمایا گیا:

رِجَالٌ لَاتُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَابَيْعٌ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔(النور:۳۷)''ایسے لوگ جنھیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی''۔

حضرت قیس بن ابوغرزہؓ فرماتے ہیں کہ ہم بازار میں تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: بازار میں بے کار باتوں اور بے جا قسموں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ لہٰذا صدقہ وخیرات کا اہتمام کیا کرو''۔(ابوداؤد:باب فی التجارۃ یخالطھا الحلف واللغو)

بسا اوقات صحابہ کرامؓ بازار میں موجود لوگوں کو اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ایام تشریق میں بازاروں میں نکل جاتے اور بلند آواز سے تکبیر کہتے۔ ان کی آواز سن کر دوسرے لوگ بھی تکبیر کہنے لگتے۔(بخاری)

5۔نظریں نیچی رکھنا چاہیے: عام طور پر بازار میں غلط قسم کے مناظر نظر کے سامنے آتے ہیں، اور بہت سی ایسی چیزیں سامنے آتی ہیں جن کا دیکھنا نامناسب ہوتا ہے۔ اس لیے نظروں کی حفاظت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے راستوں میں مجلسیں منعقد کرنے سے منع فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجلس منعقد کرنا ضروری ہو تو پھر راستے کے حقوق ادا کرو۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ راستے کے حقوق کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نظریں نیچی رکھو، راہ گیر کو تکلیف نہ دو، سلام کا جواب دو، بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو''۔(مسلم:باب النھی عن الجلوس فی الطرقات)

6۔شور اور ہنگامہ سے اجتناب کرنا چاہیے: شور اور ہنگامہ بری بات ہے۔ خصوصاً بازار میں یہ چیز اور بھی زیادہ بری ہے، کیوں کہ ایک شریف انسان کے لیے زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسی جگہ شور شرابا کرے جہاں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْاَسْوَاقِ ۔(مسلم:باب تسویۃ الصفوف واقامتھا)''بازار میں شور شرابا اور لڑائی جھگڑا کرنے سے بچو''۔

حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی ایک صفت توریت میں یہ آئی ہے:

لَیْسَ بِفَظٍّ وَلَاغَلِیْظٍ وَلَاسَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ وَلَایَدْفَعُ السَّیِّئَۃَ بِالسَّیِّئَۃِ وَلٰکِنْ یَّعْفُوْوَیَغْفِرُ۔ (بخاری: باب کراھیۃ السخب فی السوق) ’’آپ ﷺ نہ ہی بدزبان تھے اور نہ سخت دل۔ نہ بازاروں میں شور شرابا کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے، بل کہ آپ ﷺ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے‘‘۔

7۔ اپنی استطاعت کے مطابق بازار میں موجود لوگوں کی اصلاح کرنا چاہیے: اللہ کے رسول ﷺ بسا اوقات اصلاح کی غرض سے بازار جایا کرتے تھے۔ بازار میں کوئی غلطی نظر آتی تو اس کی اصلاح فرما دیتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کا گزر بازار پر سے ہوا۔ اناج کے ایک ڈھیر پر نظر پڑی۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ داخل کیا تو اندر گیلا پن محسوس ہوا۔ آپ ﷺ نے تاجر سے فرمایا: یہ تم نے کیا کیا؟ وہ معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا: رات بارش ہونے کی وجہ سے اناج گیلا ہو گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: أَفَلَا جَعَلْتَہُ فَوْقَ الطَّعَامِ کَیْ یَرَاہُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنِّی۔ تو تم اس کو اوپر رکھ دیتے تا کہ لوگ دیکھ لیتے۔ جو دھوکا دے، وہ مجھ میں سے نہیں ہے‘‘۔ (مسلم: باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ بازار سے گزر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی۔ آپ ﷺ نے بکری کا ایک مرا ہوا بچہ دیکھا جو چھوٹے کانوں والا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا ایک کان پکڑ کر فرمایا: تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم کسی چیز کے بدلے بھی اسے لینا پسند نہیں کریں گے۔ ہم اسے لے کر کیا کریں گے؟ اگر وہ زندہ بھی ہوتا تو کوئی اس کو لینا پسند کرتا کیوں کہ وہ عیب دار ہے۔ اب تو وہ مردار ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: فَوَاللّٰہِ لَلدُّنْیَا أَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذَا عَلَیْکُمْ۔ ’’اللہ کی قسم! یہ بکری تمھارے نزدیک جتنی حقیر ہے، اس سے کہیں زیادہ یہ دنیا اللہ کی نظر میں حقیر ہے‘‘۔ (مسلم: کتاب الزھد والرقاق)

عہد خلافت راشدہ میں با قاعدہ معلم اور مصلح مقرر ہوتے تھے جو بازاروں میں جا کر تاجروں اور عام لوگوں کی اصلاح کیا کرتے تھے۔

8۔بازار میں صرف دنیا کا نہیں کبھی کبھی آخرت کا بھی سودا کرنا چاہیے۔صحابہ کرامؓ بسا اوقات نیکیاں کمانے کے لیے بازار جایا کرتے تھے۔حضرت طفیل بن ابی کعبؓ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آتے تو وہ ان کو لے کر بازار جاتے۔وہ فرماتے ہیں:لَمْ یَمُرَّ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَ عَلٰی سَقَّاطٍ وَلَاصَاحِبِ بَیْعَۃٍ وَلَامِسْکِیْنٍ وَلَاأَحَدٍ اِلَّایُسَلِّمُ عَلَیْہِ ۔’’حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب کسی تاجر،دکان دار،مسکین یا کسی بھی شخص کے پاس سے گزرتے تو اس کو سلام کرتے‘‘۔ طفیلؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں ابن عمرؓ کے پاس آیا تو انھوں نے مجھے بازار چلنے کے لیے کہا۔میں نے کہا:آپؓ بازار جا کر کیا کریں گے؟نہ ہی آپ کسی تاجر کے پاس جا کر بھاؤ تاؤ کرتے ہیں اور نہ خرید و فروخت،اور نہ ہی وہاں کی کسی مجلس میں شریک ہوتے ہیں۔یہیں بیٹھو،تاکہ کچھ دیر گفتگو کرلیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:اے ابوطفیل!اِنَّمَا نَغْدُوْ مِنْ أَجْلِ السَّلَامِ ،نُسَلِّمُ عَلٰی مَنْ لَقِیْنَاہُ ۔’’دنیا کا سودا کرنے کے لیے ہم بازار نہیں جاتے۔ہم تو مسلمانوں کو سلام کرنے کے لیے جاتے ہیں، جس سے ہماری ملاقات ہوتی ہے،ہم اسے سلام کرتے ہیں‘‘۔(الادب المفرد)

بعض صحابہ کرامؓ بازار میں جا کر محنت مزدوری کرتے تاکہ اس سے حاصل ہونے والی کمائی اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔حضرت ابومسعود انصاریؓ فرماتے ہیں:کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ أَمَرَنَا بِالصَّدَقَۃِ انْطَلَقَ أَحَدُنَا اِلَی السُّوْقِ فَتَحَامَلَ فَیُصِیْبُ الْمُدَّ ۔’’جب اللہ کے رسول ﷺ ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیتے تو ہم میں سے بعض بازار کا رخ کرتے،محنت مزدوری کر کے ایک مد کماتے اور اللہ کی راہ میں صدقہ کرتے‘‘۔(بخاری:باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ)

9۔کسی کو ایذا نہ پہنچانا:اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کو بلاوجہ تکلیف دی جائے۔بازار میں عام طور پر اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا،جس کی وجہ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر دوسروں کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔اسلام تعلیم دیتا کہ بازار میں بھی ہم دوسروں کی راحت کا خیال رکھیں۔ہماری کسی حرکت سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے،رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِذَا مَرَّ أَحَدُکُمْ فِیْ مَسْجِدِنَا أَوْ فِیْ سُوْقِنَا وَمَعَہٗ نَبْلٌ فَلْیُمْسِكْ عَلٰی نِصَالِھَا أَوْقَالَ فَلْیَقْبِضْ بِکَفِّہٖ أَنْ یُّصِیْبَ أَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْھَا شَیْءٌ ۔(ابوداؤد:باب فی

النبل یدخل بہ المسجد)''جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد یا بازار سے گزرے، اوراس کے پاس کوئی اسلحہ ہوتو اسے چاہیے کہ اس کے نوک دار حصے کو اچھی طرح تھام لے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے''۔

✦✦✦

رات جاگنے کی شرعی حیثیت

دن اور رات اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن کو کام کاج اور جدوجہد کے لیے اور رات کو تھکان دور کرنے اور آرام کرنے کے لیے بنایا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمِن رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۔(القصص:73) ''اسی نے تو تمھارے لیے اپنے فضل وکرم سے دن اور رات بنائے، تا کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل (رزق) تلاش کرو۔ یہ اس لیے کہ تم شکر ادا کرو''۔

انسان دن میں اسی وقت اپنے فرائض خیر اور خوبی کے ساتھ انجام دے سکتا ہے جب کہ وہ رات میں آرام کر چکا ہو۔ اگر وہ تھکا ماندہ ہو اور اس پر نیند اور تکان کا غلبہ ہو تو کوئی کام صحیح انداز میں نہیں کر سکتا۔ اسی لیے رات میں سونا اور آرام کرنا بھی عبادت ہے۔ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ اشعریؓ کے درمیان قیام اللیل کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کا خیال تھا کہ ساری رات جاگ کر عبادت کرنا چاہیے، جب کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: أَمَّا أَنَا فَأَنَامُ وَأَقُومُ وَأَرْجُو فِي نَوْمَتِي مَا أَرْجُو فِي قَوْمَتِي ۔(ابوداؤد: باب الحكم فيمن ارتد) ''میں رات میں کچھ حصہ آرام کرتا ہوں اور کچھ حصہ عبادت میں گزارتا ہوں۔ جس طرح رات میں نماز پڑھنے کو عبادت سمجھتا ہوں اسی طرح سونے اور آرام کرنے کو بھی عبادت سمجھتا ہوں''۔

رسول اکرم ﷺ عشا کے بعد کوئی کام کرنے کو، یہاں تک کہ بات چیت کرنے کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ حضرت ابوبرزہؓ رسول اکرم ﷺ کی راتوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَلَا الْحَدِيثَ بَعْدَهَا ۔(مسلم: باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها) ''کہ آپ ﷺ عشا سے پہلے سونے کو اور عشا کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند کرتے تھے''۔

اسی لیے اہل علم نے بلاوجہ رات میں جاگنے کو ناپسند کیا ہے۔ حضرت سلیمان بن ربیعہؒ فرماتے ہیں: جَدَبَ لَنَا عُمَرُ السَّمَرَ ۔(قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی) ''حضرت عمرؓ ہمارے لیے

عشا کے بعد بات چیت کرنے کو ممنوع قرار دیتے تھے‘‘۔

عشا کے بعد فوراً سو جانے میں بہت سے فوائد ہیں: اس سے سنت پر عمل ہوتا ہے۔ گناہوں سے بچا جا سکتا ہے۔ آدمی کی دن بھر کی جدوجہد کا اختتام عبادت پر ہوتا ہے۔ اس سے تندرستی برقرار رہتی ہے۔ صبح جلد بیدار ہونے میں مدد ملتی ہے اور نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔

عشا کے بعد جاگنے کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔عبادت اور نیک کام کی غرض سے: عبادت اور نیک کام کے لیے رات کا کچھ حصہ جاگنا جائز ہے۔ ابتدائے اسلام میں رسول اکرم ﷺ کو رات جاگ کر عبادت کرنے کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَـا أَيُّهَـا الْـمُـزَّمِّـلُ. قُـمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلا (المزمل:1,2) ’’اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات میں نماز کے لیے کھڑے ہو جا، سوائے تھوڑے وقت کے‘‘۔

قرآن مجید میں اللہ کے ان بندوں کی تعریف کی گئی ہے جو رات کا ایک حصہ اللہ کی عبادت میں گزارتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: كَـانُـوا قَـلِيْلاً مِّـنَ الـلَّيْـلِ مَـا يَهْجَعُونَ. وَبِـالْأَسْحَـارِ هُمْ يَسْتَـغْـفِـرُونَ (الذاریات:17,18) ’’وہ راتوں کو کم ہی سوتے تھے، اور رات کے پچھلے پہروں میں معافی چاہتے تھے‘‘۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

أَمَّنْ هُـوَ قَـانِـتٌ آنَـاءَ الـلَّيْـلِ سَـاجِـداً وَقَـائِـمـاً يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ (الزمر:9) ’’(کیا اس شخص کی روش بہتر ہے یا اس شخص کی) جو مطیع فرمان ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا ہے اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت سے امید لگاتا ہے‘‘۔

نمازوں کے علاوہ دیگر نیک کام کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً: علم حاصل کرنا۔ امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے: باب السمر فی الفقه والخیر بعدالعشاء۔ ’’حصول علم اور خیر کے کاموں کے لیے رات جاگنا‘‘۔ اس میں حضرت انسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم نماز عشا کے لیے نبی کریم ﷺ کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب رات کا آدھا حصہ گزر گیا تو آپؐ تشریف لائے، ہمیں نماز پڑھائی اور فرمایا: أَلَا إِنَّ النَّـاسَ قَـدْ صَلُّوا ثُمَّ رَقَدُوا وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوا فِيْ صَلَاةٍ مَـا انْتَـظَـرْتُمُ الصَّلَاةَ ۔ ’’سن لو! دوسرے لوگ نماز پڑھ کر سو گئے۔ (اور تم نماز کے انتظار میں

ہو) جب تک تم نماز کے انتظار میں رہو گے، اس وقت تک تمھیں نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہے گا''۔

ان نیک کاموں میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے مشورہ کرنا وغیرہ بھی ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْمُرُ مَعَ أَبِيْ بَكْرٍ فِي الْأَمْرِ مِنْ أُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَأَنَا مَعَهُمَا ۔(ترمذی: باب ماجاء من الرخصة فی السمر بعد العشاء) ''اللہ کے رسول ﷺ رات کے وقت مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور میں بھی ان دونوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا''۔

2۔ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے رات میں جاگنا: بسا اوقات بعض ایسے کام پیش آجاتے ہیں جن کو انجام دینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ایسے کام رات کے وقت بھی انجام دینے کی اجازت شریعت دیتی ہے۔ مثلاً: سفر۔ یہ انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے، جس کو انجام دینے کے لیے رات کا وقت بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ بعض سفر طویل ہوتے ہیں، دن کے ساتھ رات میں بھی سفر کرنا پڑتا ہے، اور بعض سفروں کے لیے سواریاں رات ہی میں مہیا ہوتی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رات میں سفر کرنے میں وقت کی بچت بھی ہوتی ہے، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے رات میں سفر کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: عَلَيْكُمْ بَالدُّلْجَةِ فَإِنَّ الْأَرْضَ تُطْوىٰ بِاللَّيْلِ ۔(ابوداؤد: باب فی الدلجة) ''رات میں سفر کیا کرو، کیوں کہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لَا سَمَرَ إِلَّا لِمُصَلٍّ أَوْ مُسَافِرٍ ۔(ترمذی: باب ماجاء من الرخصة فی السمر بعدالعشاء) ''دو ہی قسم کے لوگوں کے لیے رات گزارنا جائز ہے۔ ایک نماز پڑھنے والے کے لیے۔ دوسرے مسافر کے لیے''۔

گھر والوں کا دل بہلانے کے لیے رات کا کچھ حصہ ان کے ساتھ گزارنا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنی خالہ میمونہ کے گھر رات میں قیام کیا، تاکہ آپ ﷺ کی رات کی عبادتوں سے واقف ہو سکوں۔ چناں چہ آپ ﷺ نماز عشا کے بعد گھر میں داخل ہوئے اور گھر والوں کے ساتھ کچھ دیر بات چیت کرتے رہے''۔(بخاری: باب قوله :ان فی خلق السموات والارض)

حافظ ابن رجبؒ نے صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ رات کے وقت نبی کریم ﷺ کے پاس سے نکل کر اپنے گھر پہنچے، اور اہل خانہ اور مہمانوں کے ساتھ کچھ وقت گزارا۔

3۔ناجائز اورحرام کاموں کے لیے رات میں جاگنا: ناجائز کاموں کے لیے رات میں جاگنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔قرآن مجید میں اللہ کے نافرمان بندوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ رات جاگ کر گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسا کہ فرمایا گیا: مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهِ سَامِراً تَهْجُرُون (المؤمنون:67) ''(یہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں) اتراتے ہوے، راتوں میں داستان سرائیوں میں انھیں چھوڑ دیتے ہیں''۔

اللہ کے دشمنوں نے اللہ کے دین کے خلاف سازشوں کے لیے رات ہی کا انتخاب کیا۔قوم ثمود نے حضرت صالحؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ رات کے وقت ہی بنایا، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَكَانَ فِيْ الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِيْ الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ. قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ. (النمل:48,49) ''اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔انھوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپہ ماریں گے اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں''۔

مکہ کے مشرکین نے اللہ کے رسول ﷺ کے قتل کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ یہ تھا کہ رات کے وقت آپؐ کے گھر کا گھیراؤ کریں گے، جیسے ہی آپ ﷺ گھر سے نکلیں گے، اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر سب مل کر بیک وقت آپ ﷺ پر حملہ کریں گے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سازشوں کو ناکام کر دیا۔

بدکاری کا ارتکاب کرنے کے لیے بھی لوگ رات کے اندھیرے کا سہارا لیتے ہیں۔چور اور ڈاکو بھی اپنی ظالمانہ حرکتوں کے لیے رات ہی کا انتخاب کرتے ہیں۔موجودہ دور میں تو شب خیزی بہت سے نوجوانوں کا من پسند مشغلہ ہے۔موبائیل فون اور کمپیوٹر وغیرہ جیسی ایجادات کا ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے شبِ دیجور کا سہارا لیا جاتا ہے۔آج کل تو فیس بک اور وٹس اپ کا زمانہ ہے۔بہت سے نوجوانوں کو اس وقت تک نیند نہیں آتی، جب تک کہ وہ موبائیل کے ساتھ کچھ وقت گزار نہ لیں۔ موبائل تو دن بھر ساتھ ہی ہوتا ہے، مگر خاص کر رات میں تو دل وجان سے قریب ہوتا ہے، بلکہ رات کے کسی حصے میں نیند ٹوٹتی ہے تو خیال موبائل ہی کی طرف جاتا ہے۔یہ انتہائی سنگین غفلت ہے۔اس

سے پرہیز ضروری ہے۔

حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ قیامت کے دن اس حال میں آئیں گے کہ ان کے نامۂ اعمال میں تہامہ پہاڑ کے برابر نیکیاں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو ہوا میں ذروں کی طرح اڑا دے گا۔ حضرت ثوبانؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسولؐ! ذرا ان لوگوں کی صفات بتایئے، تاکہ ہم ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: وہ تمھارے ہی بھائی ہیں، تمھاری ہی جنس سے ہیں اور تمھاری ہی طرح وہ راتوں میں نمازوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں مگر جب وہ تنہائی میں موقع پاتے ہیں تو اللہ کی حرمتوں کو پامال کرنے لگتے ہیں۔ (ابن ماجہ: باب ذکر الذنوب)

ذکر و عبادت اور نیک کاموں کے لیے رات میں جاگنا جائز ہے مگر ان اعمال کی وجہ سے اگر صحت متاثر ہوتی ہو یا کسی کی حق تلفی ہوتی ہو تو شریعت ان اعمالِ صالحہ کے لیے بھی رات میں جاگنے کی اجازت نہیں دیتی۔ حضرت عائشہؓ سے بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اکرم ﷺ کی عبادتوں کا حال دریافت کیا۔ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کی عبادتوں کا حال بیان کیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کی عبادتوں کو معمولی سمجھا۔ پھر آپس میں کہنے لگے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ ہم کو جنت میں داخل ہونے کے لیے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنی پڑیں گی۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں آج سے رات بھر نمازیں پڑھوں گا، کبھی نہیں سوؤں گا۔ دوسرے نے کہا: میں دن میں روزہ رکھوں گا، کبھی ناغہ نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں زندگی بھر مجرد رہوں گا، کبھی شادی نہیں کروں گا۔ رسول اکرم ﷺ کو جب ان کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، پھر بھی میرا حال یہ ہے کہ میں رات میں کچھ حصہ سوتا ہوں اور کچھ حصہ عبادت میں گزارتا ہوں۔ میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور کبھی ترک بھی کرتا ہوں اور میں نے شادیاں بھی کی ہیں۔ جو میری سنت سے روگردانی کرے، وہ مجھ سے نہیں''۔ (بخاری: باب الترغیب فی النکاح)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بڑے عبادت گزار صحابی تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ کہا: میں ہمیشہ رات بھر عبادت کروں گا اور دن میں روزہ رکھوں گا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کو یہ بات معلوم ہوی تو آپ ﷺ نے اس سے روکتے ہوے فرمایا: اِنَّكَ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ هَجَمَتْ عَيْنُكَ وَنَفِهَتْ

نَفْسُكَ۔(بخاری:باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ)''اگر تم اس طرح کروگے تو آنکھیں کمزور ہوجائیں گی اور نفس تھک جائے گا''۔

اسلام اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ عبادتوں کی وجہ سے دوسروں کے حقوق پامال ہوں۔ظاہر سی بات ہے کہ انسان جب عبادت میں ساری رات جاگے گا تو اہلِ خانہ کے حقوق متاثر ہوں گے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کا بھائی چارہ انصاری صحابی حضرت ابوالدرداءؓ کے ساتھ کروایا تھا۔ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ اپنے بھائی ابوالدرداءؓ سے ملاقات کے لیے ان کے گھر گئے تو ام الدرداءؓ کو پراگندہ حالت میں پایا۔ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگیں: آپ کے بھائی ابوالدرداءؓ کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں (سلمان فارسیؓ حقیقت حال سمجھ گئے) اتنے میں ابوالدرداءؓ بھی تشریف لائے۔حضرت سلمانؓ نے ابوالدرداءؓ کے سامنے کھانا پیش کیا اور کہا کہ کھاؤ۔ انھوں نے بتایا: میں روزے سے ہوں۔حضرت سلمانؓ نے فرمایا: میں اسی وقت کھاؤں گا جب کہ آپ بھی میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوں۔حضرت ابوالدرداءؓ اپنا نفل روزہ توڑ کر کھانے میں شریک ہوگئے۔رات ہوی تو ابوالدرداءؓ قیام اللیل کے لیے اٹھنا چاہے۔حضرت سلمانؓ نے کہا: ابھی سوئے رہو۔حضرت ابوالدرداءؓ کو مجبوراسونا پڑا۔ پھر رات کے آخری پہر حضرت سلمانؓ نے انھیں جگایا اور کہا کہ چلو اب نماز پڑھیں۔پھر دونوں نے مل کر نماز ادا کی۔اس کے بعد سلمانؓ نے فرمایا:''تم پر اپنے رب کا حق ہے،اسی طرح اپنے نفس کا اور اہل وعیال کا بھی حق ہے،ہر ایک کا حق ادا کرو''۔صبح ہوی تو ابوالدرداءؓ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور سلمانؓ کی شکایت کرتے ہوے سارا واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: سلمانؓ نے درست کیا''۔(بخاری: باب صنع الطعام والتکلف للضیف)

آج کل راتوں میں دینی اجتماعات کا بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔رات بھر جاگ کر لوگ وعظ ونصیحت سنتے اور سناتے ہیں۔فجر کی نماز سے کچھ پہلے مجلس برخواست ہوتی ہے۔اور وعظ ونصیحت میں شریک لوگوں کی ایک بڑی تعداد نمازِ فجر ادا کیے بغیر سوجاتی ہے۔یقیناً یہ بڑی محرومی کی بات ہے۔ حضرت خرشہ بن حرؓ فرماتے ہیں: رَأَيْتُ عُمَرَ يَضْرِبُ النَّاسَ عَلَى الْحَدِيْثِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَيَقُوْلَ :أَسَمَرًا أَوَّلَ اللَّيْلِ وَنَوْمًا آخِرَهُ ۔(فتح الباری:2/73)''میں نے حضرت عمرؓ کو عشا کے بعد بات چیت کرنے پر لوگوں کو مارتے ہوے دیکھا ہے،وہ فرمایا کرتے تھے کہ رات کے پہلے پہر جاگتے

ہواورآخری پہرسوجاتے ہو؟(یہ تو بری عادت ہے)''۔

فجر کی نماز چھوڑ کر سونے والے کے لیے بڑی سخت وعید آئی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کو خواب میں بہت سارے عذابات کا مشاہدہ کرایا گیا۔ایک منظر آپ ﷺ کو یہ دکھایا گیا کہ ایک شخص کا سر پتھر سے کچلا جارہا ہے۔سبب دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ شخص حافظِ قرآن تھا مگر فرض نماز ترک کر کے سوجایا کرتا تھا۔(بخاری:باب تعبیر الرئویابعد صلاۃ الصبح)

اطباء کا کہنا ہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں آرام کرنے سے آدمی پر خوش گوار اثر پڑتا ہے اور آدمی چاق وچوبند رہتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا بھی یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ رات کے ابتدائی حصے میں سوجاتے اور آخری پہر اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ نے راتوں میں اللہ کے رسول ﷺ کی عبادتوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:يَنَامُ أَوَّلَهُ وَيَقُومُ آخِرَهُ فَيُصَلِّيْ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰی فِرَاشِهِ۔۔۔۔(بخاری:باب من نام أول اليل وأحياآخره)''آپ ﷺ رات کے ابتدائی حصے میں سوجاتے اور آخری حصے میں جاگ کر عبادت کرتے،پھر اپنے بستر کی طرف لوٹ آتے.....''۔

قانونِ فطرت بھی یہی ہے۔جیسے ہی رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل جاتا ہے تو سارے پرندے آرام کرنے کے لیے اپنے گھونسلوں کا رخ کرتے ہیں۔کوئی بھی پرندہ رات کے وقت چہچہاتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔اور جیسے ہی صبح کی سپیدی نمودار ہوتی ہے تو سب سے پہلے پرندے بیدار ہوتے ہیں اور مرغ کی بانگ صبح کی پَو پھٹنے کا پتہ دیتی ہے۔اس میں ہم مسلمانوں کے لیے سامانِ عبرت ہے ۔فطرت کے اس سبق کو ہم زندگی بھر یاد رکھیں۔عشا کے بعد فوراً سوجائیں اور فجر کے لیے بیدار ہوجائیں۔اس وقت جوصورتِ حال ہے، کہ عام طور پر مسلم گھرانوں میں رات بارہ ایک بجے تک جاگا جاتا ہے،خوش گپیوں میں یا ٹی وی وغیرہ کے ساتھ،اوردن چڑھے تک سویا جاتا ہے،یہ انتہائی بری بات ہے۔اس نحوست کے ہوتے ہوئے گھروں میں خیر وبرکت نہیں آسکتی۔نہ ہماری دینی حالت میں سدھار ہوسکتی ہے اور نہ معاشی اعتبار سے بہتری ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیک توفیق دے۔آمین

گانے، بجانے کی شرعی حیثیت

موجودہ دور ایک ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے۔اس ترقی یافتہ دور کی ایک اہم ایجاد ذرائع ابلاغ اور میڈیا بھی ہے۔ ذرائع ابلاغ اور میڈیا نے اس قدر ترقی کی ہے کہ آج ہر انسان گھر بیٹھے پوری دنیا کے حالات سے واقف ہوسکتا ہے۔آج کا انسان اس کا صحیح استعمال کر کے جہاں فوائد حاصل کر رہا ہے، وہیں اس کا غلط استعمال کر کے اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کر رہا ہے۔بل کہ آج لوگ اس کو مفید اور اچھے کاموں سے زیادہ غلط اور ناجائز کاموں کے لیے ہی استعمال کر رہے ہیں۔اس کا ایک غلط استعمال گانا سننا،فلم دیکھنا،فحش چیزیں دیکھنا اور سننا ہے۔

ذرائع ابلاغ کی اس ترقی کے بعد فلم دیکھنے اور گانا سننے کا رواج اس قدر عام ہوگیا ہے کہ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جب رات تھک کر گھر پہنچتے ہیں تو انھیں اس وقت تک نیند نہیں آتی جب تک کہ کوئی فلم نہ دیکھیں یا کوئی گانا نہ سنیں۔اسی لیے رات دیر تک ٹی وی یا موبائل آن کر کے فلم دیکھنے یا گانا سننے میں مصروف رہتے ہیں۔اس کو بہت ہی معمولی گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بہت ہی خطرناک گناہ ہے۔

شیطان نے جب حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو دربارِ الٰہی سے اسے دھتکار دیا گیا،شیطان نے درخواست کی کہ قیامت تک مجھے مہلت دی جائے ،اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی تو اس نے اس کہا کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کر کے رہوں گا۔شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے جو حربے استعمال کرتا ہے ،ان میں سب سے اہم حربہ یہی بجانے کے آلات ہیں،سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ ۔(بنی اسرائیل:64)''ان میں سے جسے بھی اپنی آواز سے بہکا سکے ،بہکا لے''۔امام ابن جریر طبری

اور علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ شیطان کی آواز سے مراد بجانے کے آلات نہیں۔

سورۂ لقمان میں ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ۔(لقمان:6) ''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں''۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا: اَلْغِنَاءُ وَاللّٰهِ الَّذِىْ لَااِلٰهَ اِلَّاهُوَ ۔يُرَدِّدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۔''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس سے مراد گانا بجانا ہے''۔ انھوں نے تین مرتبہ اسی طرح کہا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِىْ اَقْوَامٌ يَّسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَوَالْخَمْرَوَالْمَعَازِفَ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ:91) ''میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور بجانے کے آلات کو حلال سمجھیں گے۔

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ،مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ ۔(الجامع الصغیر:3801) ''دو آوازیں دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت وملامت کا باعث ہیں۔ ایک خوشی کے موقع پر بجانے کی آواز اور دوسری پریشانی اور مصیبت کے وقت واویلا مچانے کی آواز دی۔

گانا سننا یا فلم دیکھنا یہ شریف اور نیک لوگوں کا شیوہ نہیں بلکہ بدکار اور بدکردار لوگوں کا شعار ہے۔ امام مالکؒ سے کسی نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: اِنَّمَا يَفْعَلُهُ عِنْدَنَا الْفُسَّاقُ ۔''ہمارے معاشرے میں فاسق اور بدکار لوگ ہی یہ کام کرتے ہیں''۔(تحریم آلات الطرب للالبانی)

شریف لوگ گانے بجانے کی محفلوں میں شریک نہیں ہوتے۔ اگر کبھی غلطی سے اس طرح کی مجلسوں میں چلے بھی جائیں تو فوراً وہاں سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ یا وہاں سے شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ سورۂ فرقان میں ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ لَايَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِمَرُّوْا كِرَامًا ۔(الفرقان:72) ''اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز پر ان گزر رہوتا ہے

تو شرافت سے گزر جاتے ہیں''۔

حضرت نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ راستے سے گزر رہے تھے، گانے کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ انھوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں۔ اور راستے کے کنارے ہوکر چلنے لگے۔ کچھ دور جانے کے بعد مجھ سے پوچھا کہ کیا ابھی بھی آواز آرہی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ تب آپؓ نے اپنے کانوں سے انگلیاں ہٹالیں اور فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ راستے سے گزر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے گانے کی آواز سنی تو آپ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا''۔ (ابوداوٗد: باب کراھیۃ الغناء والزمر)

گانا سننے اور فلم دیکھنے کے نقصانات: گانا سننے اور فلم دیکھنے کے بہت سے نقصانات ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ یہ چیز انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے۔ سورۂ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡہِمُ الشَّیۡطَانُ فَاَنۡسَاھُمۡ ذِکۡرَاللّٰہِ اُولٰئِکَ حِزۡبُ الشَّیۡطَانِ اَلَا اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطَانِ ھُمُ الۡخَاسِرُوۡنَ ۔(المجادلۃ:19)''ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کرلیا ہے اور انھیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہ شیطانی لشکر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے''۔

سورہ زمر میں یادِ الٰہی سے غفلت کی وجہ ایسی بے ہودہ اور بے کار چیزوں میں مشغول ہونا بتایا گیا ہے، فرمایا گیا: وَاِذَا ذُکِرَاللّٰہُ وَحۡدَہُ اشۡمَأَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَایُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡآخِرَۃِ وَاِذَا ذُکِرَالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ اِذَا ھُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۔(الزمر:45)''اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا (اور کا) ذکر کیا جائے تو ان کے دل کھل کر خوش ہوجاتے ہیں''۔

یہی چیز ایک مسلمان کے لیے نماز میں سستی کا سبب بنتی ہے۔ بعض لوگ رات دیر تک فلم دیکھنے اور گانا سننے میں مصروف رہتے ہیں جس کی وجہ سے انھیں فجر کی نماز کے لیے بیدار ہونے کی توفیق نہیں ملتی۔ بہت سے لوگ لہو ولعب کی ان چیزوں میں اس قدر مگن ہوجاتے ہیں کہ نماز کا وقت

ہوجاتا ہے اور اذان کی آواز کانوں سے ٹکراتی ہے اس کے باوجود انھیں نماز کے لیے نکلنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ دراصل شیطانی چال ہے۔

دل قرآن مجید کی تلاوت کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوے کہا: أُحَذِّرُكُمُ الْغِنَاءَ فَمَا اسْتَعْمَلَهُ عَبْدٌ إِلَّا أَنْسَاهُ اللّٰهُ كِتَابَهُ ۔() ''میں تمھیں گانا سننے سے منع کرتا ہوں، کیوں کہ جو شخص اس کا عادی ہوجائے، اللہ تعالیٰ اس سے اپنی کتاب کو بھلا دیتا ہے''۔

نیک کاموں کا شوق اور جذبہ ماند پڑجاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا: وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۔(الاعراف:146) ''اور اگر گم راہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں''۔

۲۔ یہ بدکاری کا پہلا زینہ ہے: گانوں میں بے ہودہ گوئی اور فحاشی کا طومار ہوتا ہے۔ یہ چیز ایک انسان کو برائیوں اور بدکاریوں پر آمادہ کرتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: اَلْغِنَاءُ رُقْيَةُ الزِّنَا ۔ موسیقی اور گانا زنا کی طرف پہلا قدم ہے۔

۳۔ نفاق کا ذریعہ ہے: یہ چیز غیر شعوری طور پر مسلمان کے دل میں نفاق پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ ۔(تحریم آلات الطرب: قال الالبانی، اسنادہ جید) ''گانا دل میں یوں نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو پیدا کرتا ہے''۔

۴۔ اس کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ چیز دنیا اور آخرت میں عذابِ الٰہی کا باعث ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ بدترین عذابات کے شکار ہوں گے۔ حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ ،إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَازِفُ وَالْقَيْنَاتُ وَاسْتَحَلَّتِ الْخَمْرُ ۔(الجامع الصغیر:3665) ''میری امت میں آخری زمانے میں زلزلے ہوں، پتھروں کی بارش ہوگی اور چہرے مسخ کردیے جائیں گے''۔ آپ ﷺ سے

دریافت کیا گیا کہ یہ عذابات کب واقع ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والیوں اور باجوں کو رواج دیا جائے گا اور شراب حلال کر لی جائے گی''۔

ایک دوسری روایت میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: لَیَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِی الْخَمْرَ یُسَمُّوْنَهَا بِغَیْرِ اسْمِهَا یَعْزِفُ عَلٰی رُؤُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّیَاتِ یَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَیَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِیرَ۔ (ابن ماجہ: باب العقوبات) ''میری امت کے کچھ لوگ شراب پییں گے، اسے دوسرا نام دیں گے۔ ان کے سروں پر باجے بجائے جائیں گے۔ گانے والی عورتیں گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے گا اور انھیں مسخ کر کے بندر اور سور بنا دے گا''۔

انسان کی طبیعت چاہتی ہے کہ اچھی آواز سنے اور اس سے لطف اندوز ہو، اسلام ایسے جذبات کو دباتا نہیں بلکہ ان کی قدر کرتا ہے، اور ایسے جذبات کی تسکین کا سامان بھی کرتا ہے۔ جب بھی انسان کی طبیعت میں ایسے جذبات ابھریں، اسے چاہیے کہ قرآن مجید کی تلاوت سنے۔ قرآن مجید میں جو لذت اور مٹھاس ہے، اس کی گواہی دشمنوں نے بھی دی ہے۔

قرآن مجید کی آیتوں میں ایک طرح کی کشش ہے، اس کے سننے سے روح کو قرار، دل کو اطمینان اور نفس کو سکون نصیب ہوتا ہے اور ایمان میں تازگی اور اضافہ ہوتا ہے۔ سورۂ انفال میں فرمایا گیا: وَإِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ آیَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِیْمَانًا ۔ (الأنفال: 4) ''اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں''۔

قرآن مجید اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوا، مگر آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات صحابہ کرامؓ سے قرآن سنا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ابی بن کعب سے قرآن پڑھنے کے لیے کہا، وہ بڑے اچھے لہجے میں قرآن کی تلاوت کرنے لگے، آپ ﷺ ان کی تلاوت سے محظوظ ہوتے رہے، جب وہ سورۂ نساء کی اس آیت پر پہنچے: فَکَیْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ شَهِیْدًا ۔ (النساء: 41) ''پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں

گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے''۔ آپ ﷺ نے ابیؓ سے کہا کہ بس کرو۔ حضرت ابیؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

آپ ﷺ نے اچھی آواز میں قرآن پڑھنے کے لیے کہا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: لَیۡسَ مِنَّا مَنۡ لَمۡ یَتَغَنَّ بِالۡقُرۡآنِ ۔(ابوداؤد: باب استحباب الترتیل فی القراءۃ) ''جو اچھی آواز سے قرآن نہ پڑھے، وہ ہم میں سے نہیں''۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ گانا سننے کی وجہ سے سکون اور قرار نصیب ہوتا ہے، یہ بے بنیاد بات ہے، گانا سننے کی وجہ سے سکون و قرار نہیں بلکہ انسان بدکاری کی طرف آمادہ ہوتا ہے۔ سکون و قرار تو اللہ کی یاد سے، ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: اَلَّذِیۡنَ آمَنُوۡا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ۔(الرعد:28) ''جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے''۔

حقیقی سکون واطمینان نماز اور عبادات سے حاصل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جُعِلَتۡ قُرَّةُ عَیۡنِیۡ فِی الصَّلَاةِ ۔(الجامع الصغیر:3124) ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔

اسلام خوشی کے موقعوں پر اچھے اشعار کہنے اور اچھی نظمیں پڑھنے اور سننے کی اجازت دیتا ہے تا کہ روح کو تازگی ملے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ عید کے دن اللہ کے رسول ﷺ میرے گھر میں داخل ہوئے، دو چھوٹی بچیاں گا رہی تھیں، اتنے میں ابوبکر بھی گھر میں داخل ہوئے اور ڈانٹتے ہوئے انھیں روکنا چاہا، آپ ﷺ نے فرمایا: دَعۡهُمَا یَا اَبَابَکۡرٍ! اِنَّ لِکُلِّ قَوۡمٍ عِیۡدًا وَاِنَّ عِیۡدُنَا الۡیَوۡمُ ۔(بخاری: باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ المدینۃ) ''اے ابوبکر! انھیں چھوڑ دو۔ بے شک ہر قوم کے لیے ایک عید کا دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے''۔

شادی بیاہ کے موقع پر ہر شخص یہ چاہتا ہے ک گھر میں خوشی کا ماحول ہو، خوشی کے کا اظہار ہو، اسلام ہمیں اس سے منع نہیں کرتا، بلکہ حلال اور جائز طریقوں سے خوشی کے اظہار کی اجازت دیتا ہے۔ اس موقع پر اچھے اشعار کہنے اور اچھی نظمیں پڑھنے کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ آپ

ﷺ کا ارشاد ہے:فَصْلُ مَا بَیْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ ضَرْبُ الدَّفِ وَالصَّوْتُ فِی النِّکَاحِ ۔(الجامع الصغیر:4206)''حلال اور حرام میں تفریق کرنے والی چیز دف بجانا اور نکاح کی تشہیر کرنا ہے''۔

کام کے وقت نشاط اور چستی پیدا کرنے کے لیے بھی اچھے اشعار گنگنانے کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ جنگ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ عبداللہ بن رواحہ کے اشعار پڑھ کر صحابہ کو جوش دلا رہے تھے۔ اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّاعَیْشَ الْآخِرَۃِ فَاغْفِرِالْأَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ

''اے اللہ !حقیقی عیش اور زندگی تو آخرت کی ہے۔تو انصار اور مہاجرین کو معاف فرما''۔(بخاری:باب غزوۃ الخندق)

جواب میں صحابہ یہ شعر کہہ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدَا عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدَا

وَاللّٰہِ لَوْلَااللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا وَ لَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ اِنْ لَاقِیْنَا

وَالْمُشْرِکُوْنَ بَغَوْا عَلَیْنَا اِذَا أَرَادُوْا فِتْنَۃً أَبَیْنَا

''ہم ہی ہیں جو محمد ﷺ پر زندگی بھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی بیعت کیے ہیں۔
اللہ کی قسم !اگر اللہ (کی توفیق) نہ ہوتی تو ہم نہ ہدایت پاتے ،نہ صدقہ کر سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے۔

(اے اللہ!) ہم پر سکینت نازل فرما اور میدانِ جنگ میں ہمیں ثابت قدمی نصیب فرما۔
مشرکوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ جب وہ فتنہ وفساد برپا کرنا چاہیں تو ہم ان کے مانع اور مزاحم ہوں گے''۔(بخاری:باب حفر الخندق)

موسم سرما اور اسلامی تعلیمات

یہ کائنات جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بے مثال نظام کا شاہ کار ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی جھول اور بگاڑ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا تَرىٰ فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرىٰ مِنْ فُطُوْرٍ۔ (الملک:4) ''تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمھیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟''۔

اللہ تعالیٰ نے دن اور رات بنائے جو پوری پابندی کے ساتھ اپنے وقت پر آتے ہیں اور اپنے وقت پر جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف موسم بنائے، موسمِ گرما، موسمِ سرما، موسمِ بہار اور موسمِ خزاں۔ یہ سب اللہ کے نظام کا حصہ ہیں۔ ہر موسم کی کچھ خصوصیات ہیں، اور ان کے تعلق سے اسلام نے کچھ ہدایات بھی دی ہیں۔ اس مضمون میں ان ہی ہدایات کا بیان مقصود ہے:

سردی کے ایام میں عبادت کی فضیلت: سردی کے موسم میں عام طور پر فرائض اور عبادات میں کوتائی ہوتی ہے۔ سرد راتوں میں گھر سے نکلنا طبیعت پر گراں گزرتا ہے، جس کی وجہ سے اکثر فرض نمازوں کی جماعت فوت ہوجاتی ہے۔ بسا اوقات نماز کا وقت بھی ختم ہوجاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے نماز میں سستی اور غفلت درست نہیں ہے۔ موسم کتنا ہی سرد کیوں نہ ہو، مردوں کے لیے ضروری ہے کہ نمازِ باجماعت کا اہتمام کریں۔ جو لوگ سرد موسم میں دشواری کے باوجود نماز ادا کرتے ہیں، ان کا یہ عمل اللہ کو بہت پسند ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ دو بندوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔ پھر ان میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: ایک وہ شخص جو رات سرد ہونے کے باوجود اپنا بستر چھوڑ کر کھڑا ہوتا ہے، وضو کرتا ہے، پھر نماز میں مصروف ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے: میرے اس بندے کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تیرے پاس موجود

نعمتوں کو حاصل کرنے اور تیرے عذاب سے بچنے کے شوق نے اسے اس پر آمادہ کیا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اسے وہ چیز عطا کروں گا،جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس چیز سے محفوظ رکھوں گا جس سے وہ ڈرتا ہے''۔

سردی کے ایام میں وضو کرنے کی فضیلت:سردی کے ایام میں،خصوصاً سرد راتوں میں پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا بہت دشوار ہوتا ہے،مگر جو شخص اس دشواری کے باوجود اچھی طرح وضو کرتا ہے وہ اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلَاأَدُلُّکُمْ مَا یَمْحُوااللّٰہُ بِہِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِہِ الدَّرَجَاتِ ۔ ''کیا میں تمھیں ایسا عمل نہ بتلاؤں،جس کے ذریعے اللہ تمھارے گناہوں کو مٹادے اور تمھارے درجات بلند کرے؟صحابہ کرامؓ نے جواب دیا:ضرور بتایئے اے اللہ کے رسول ﷺ۔آپؐ نے فرمایا:اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِہِ وَکَثْرَۃُ الْخُطَا اِلَی الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُالصَّلاَۃِ بَعْدَالصَّلاَۃِ،فَذَالِکُمُ الرُّبَاطُ۔ (مسلم:باب ما یرفع الدرجات فی الجنۃ)''طبیعت پر گراں ہونے کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا،مسجد کی طرف زیادہ سے زیادہ قدم بڑھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہنا۔یہ اعمال دین کے محافظ اور پہرے دار ہیں''۔

بعض عبادتیں ایسی ہیں جو اس موسم میں آسانی کے ساتھ ادا کی جاسکتی ہیں،کیوں کہ سردی کے ایام میں دن مختصر اور ماحول خوش گوار ہوتا ہے۔اس لیے اس موسم میں روزہ رکھنے میں زیادہ دشواری نہیں پیش آتی۔اللہ کے رسول ﷺ نے اس موسم میں روزہ رکھنے پر ابھارا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْغَنِیْمَۃُ الْبَارِدَۃُ اَلصَّوْمُ فِی الشِّتَاءِ ۔موسمِ سرما میں روزہ رکھنا بغیر محنت ومشقت کے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کے مانند ہے''۔(باب ماجاء فی الصوم فی الشتاء)

دوسری خوبی یہ ہے کہ اس موسم میں رات بہت طویل ہوتی ہے،جس کی وجہ سے مومن بندہ ایک آدھ گھنٹہ تہجد اور قیام اللیل کے لیے بہ آسانی نکال سکتا ہے۔اسی لیے اسلافِ کرامؒ اس موسم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

اِنَّمَا کَانَ الشِّتَاءُ رَبِیْعَ الْمُؤْمِنِ۔''موسمِ سرما مومن کے لیے حقیقت میں موسمِ بہار ہے''۔

اس لیے کہ وہ طاعت وبندگی کے باغات میں چرتا ہے اور عبادت وریاضت کے میدانوں میں

سیر کرتا رہتا ہے۔اس کا دل آسان اعمال کے باغیچوں میں ٹہلتا رہتا ہے۔مومن بغیر کسی مشقت کے روزہ رکھتا ہے۔نہ اس کو پیاس کی شدت ستاتی ہے اور نہ بھوک اسے پریشان کرتی ہے۔ وہ رات پورے سکون واطمینان کے ساتھ اللہ کے حضور کھڑے ہوکر دعا ومناجات اور تہجد میں مصروف ہوتا ہے۔

موسم سرما میں اسلاف کرامؒ کی عبادتوں کا حال: موسم سرما اللہ کے نیک بندوں کے لیے عبادت میں آگے بڑھنے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کا ایک بہترین موقع ہے۔ جب یہ موسم آتا تو اسلاف کرامؒ خوش ہوتے تھے۔حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے تھے:

اَلشِّتَـاءُ غَـنِيـمَةُ الْـعَـابِـدِيْنَ ۔''موسم سرما اللہ کے نیک بندوں کے لیے مالِ غنیمت کی مانند ہے''۔(حلیۃ الأولیاء لابی نعیم: **51/1**)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

مَـرْحَبًـا بِـالشِّتَـاءِ تَتَـنَـزَّلُ فِيْـهِ الْبَـرَكَةُ وَيَـطُـوْلُ فِيْهِ اللَّيْلُ لِلْقِيَامِ وَيَقْصُرُ فِيْهِ النَّهَارُ لِـلصِّيَامِ۔''موسمِ سرما کا آنا مبارک ہو۔اس میں برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔تہجد کے لیے رات طویل ہوتی ہے اور روزہ رکھنے کے لیے دن مختصر ہوجاتا ہے''۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

نِـعْـمَ زَمَانُ الْمُؤْمِنِ اَلشِّتَاءُ لَيْلُهُ طَوِيْلٌ يَقُوْمُهُ وَنَهَارُهُ قَصِيْرٌ يَصُوْمُهُ ۔موسم سرما مومن کے لیے کیا ہی بہترین موسم ہے۔رات طویل ہوجاتی ہے،جس میں وہ لمبی لمبی نمازیں پڑھ سکتا ہے اور دن مختصر ہوجاتا ہے جس میں روزہ رکھنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے''۔

جب موسم سرما شروع ہوجاتا تو حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے:

يَـا أَهْـلَ الْـقُـرْآنِ طَـالَ اللَّيْلُ لِصَلَاتِكُمْ وَقَصُرَ النَّهَارُ لِصِيَامِكُمْ فَاغْتَنِمُوْا ۔''اے قرآن کے حافظو! تہجد کے لیے رات طویل ہوچکی ہے ،اور روزوں کے لیے دن مختصر ہوچکا ہے۔لہٰذا اس کی قدر کرو''۔(مصنف ابن ابی شیبۃ: **9826**)

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں:

اَللَّيْلُ طَوِيْلٌ فَلَا تُقَصِّرْهُ بِمَنَامِكَ وَالْإِسْلَامُ نَقِيٌّ فَلَا تُدَنِّسْهُ بِآثَامِكَ ۔''رات طویل ہے، سو کر اسے چھوٹی مت کرو۔اسلام پاکیزہ مذہب ہے،اپنے گناہوں سے اسے ناپاک مت کرو''۔

حضرت معاذؓ اپنی وفات کے وقت رونے لگے۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا:
أَبْكِي عَلٰى أَرْبَعٍ: أَيَّامِ الصَّيْفِ الْحَارَّةِ كُنْتُ أَصُومُهَا وَلَيَالِي الشِّتَاءِ الْبَارِدَةِ كُنْتُ أَقُومُهَا وَمُجَالَسَةِ الْعُلَمَاءِ وَمُصَاحَبَةِ الصَّالِحِيْنَ۔ ''مجھے چار چیزوں کے چھوٹنے کا افسوس ہے۔ موسمِ گرما کے دنوں کے چھوٹنے پر جن میں میں روزہ رکھا کرتا تھا۔ موسمِ سرما کی ٹھنڈی راتوں پر جن میں تہجد کا اہتمام کرتا تھا علماء کی علمی مجلسوں اور نیک لوگوں کی صحبت سے محروم ہونے پر (میں رو رہا ہوں)''۔

دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیاں عام انسان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، مگر بندۂ مومن کے لیے ان میں عبرت کا سامان ہوتا ہے۔ جب سردی کا موسم آتا ہے تو پتے جھڑنے لگتے ہیں۔ پتوں کا یہ جھڑنا مومن کو اپنے گناہوں کا جائزہ لینے اور ان کو دور کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسمِ سرما میں اللہ کے رسول ﷺ گھر سے نکلے۔ آپ ﷺ نے درخت سے پتوں کو جھڑتے ہوئے دیکھا تو ایک درخت کی دو ڈالیاں پکڑ کر ہلائیں، جس کی وجہ سے پتے جھڑنے لگے۔ پھر حضرت ابوذرؓ کو آواز دی تو ابوذرؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتَ عَنْهُ ذُنُوْبُهُ كَمَا تَهَافَتَ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ۔ (صحیح الترغیب والترھیب:) مسلمان بندہ جب اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ ویسے ہی جھڑ جاتے ہیں، جیسے اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں''۔

موسمِ گرما میں گرمی کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے تو موسم سرما میں سردی کی شدت بڑھتی ہے۔ گرمی اور سردی کی یہ شدت مومن کو جہنم کی یاد دلاتی ہے۔ صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے: ''جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی کہ اے میرے رب! میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جا رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے (سال میں) دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک مرتبہ موسم سرما میں (اندر کی طرف) دوسری مرتبہ موسم گرما میں (باہر کی طرف)۔ جب وہ باہر کی طرف سانس چھوڑتی ہے تو تم سخت گرمی محسوس کرتے ہو اور جب وہ اندر کی طرف سانس لیتی ہے تو تم سخت ٹھنڈک محسوس کرتے ہو۔ (بخاری: باب الإبراد بالظھر فی شدۃ الحر)

یہی وجہ ہے کہ جہنم میں جہنمیوں کو جو عذاب دیے جائیں گے، ان میں ایک گرم اور سرد پانی کا بھی ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَغَسَّاقٌ وَآخَرُمِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ۔(الدخان: 57) ''پس اسے چکھیں، یہ گرم کھولتا ہوا پانی اور سخت ٹھنڈا پانی ہے۔ اس کے علاوہ اور طرح طرح کے عذاب''۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

أَمَّاالْحَمِيْمُ فَهُوَالْحَارُّ الَّذِىْ قَدِ انْتَهٰى حَرُّهُ وَأَمَّاالْغَسَّاقُ فَهُوَضِدُّهُ وَهُوَالْبَارِدُ الَّذِىْ لَايُسْتَطَاعُ مِنْ شِدَّةِ بَرْدِهِ الْمُؤْلِمِ۔ ''حمیم' انتہائی شدید گرم پانی اور ''غساق' اس کی ضد ہے، یعنی سخت ٹھنڈا پانی جس کا پینا نہایت مشکل ہوگا''۔

اس کے برعکس جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جنتیوں کو وہاں نہ گرمی لاحق ہوگی اور نہ سردی، جیسا کہ ارشاد ہے:

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَايَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَلَازَمْهَرِيْرًا ۔(الدھر: 13) ''(جنتی) وہاں مسندوں پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔ وہاں نہ انھیں گرمی کی شدت محسوس ہوگی اور جاڑے کی سختی''۔

موسم سرما اور اس میں رونما ہونے والی تبدیلیاں صحت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس لیے اسلام نے بعض عبادات اور احکام میں تخفیف کی ہے۔

1۔ غسل میں تخفیف : سردی کے موسم میں اگر غسل کی ضرورت پیش آئے، پانی کے استعمال میں دشواری ہو رہی ہو تو ہلکا پھلکا غسل کر لینا کافی ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا: أَنَا فِىْ أَرْضٍ بَارِدَةٍ فَكَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ۔ ہم ایک سرد علاقے میں رہتے ہیں۔ غسلِ جنابت کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أَمَّا أَنَا فَأَحْثُوْعَلٰى رَأْسِىْ ثَلَاثًا ۔'' میرا معاملہ یہ ہے کہ اس طرح کی سرد راتوں میں میں اپنے جسم پر تین چلو پانی بہالیتا ہوں''۔ (ابن ماجہ: باب فی الغسل من الجنابۃ)

2۔ وضو اور غسل کے بدلے تیمّم کی اجازت : اگر ٹھنڈا پانی استعمال کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو گرم پانی سے وضو یا (اگر غسل واجب ہو تو) غسل کر کے نماز ادا کرنا چاہیے۔ اگر گرم پانی میسر نہ

ہوتو ایسی صورت میں تیمّم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگِ ذات السلاسل کے موقع پر ایک سرد رات میں میں جنبی ہوگیا۔ مجھے خوف ہوا کہ اگر غسل کرلوں تو کہیں ہلاک نہ ہوجاؤں ۔اس لیے میں نے تیمّم کر کے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی ۔انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے میری شکایت کی ۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرو! کیا تم نے جنابت کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی ؟ میں نے فرمایا کہ اللہ کے رسولؐ! مجھے ڈر ہوا کہ اگر غسل کروں تو ہلاک نہ ہوجاؤں اور مجھے اللہ کا یہ قول یاد آ گیا: وَلَاتَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۔(النساء:29) ''اپنے آپ کو ہلاک مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرنے والا ہے''۔ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ مسکرا دیے اور آپ نے ان کی کوئی نکیر نہیں فرمائی''۔(ابوداؤد: باب اذا خاف الجنب البرد أیتیمم؟)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے۔ہم میں سے ایک صحابی کا سر چوٹ لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہوگیا۔اسی حالت میں انھیں غسل کی بھی ضرورت پیش آ گئی۔انھوں نے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میرے لیے اجازت ہے کہ میں غسل کی بجائے تیمّم کرلوں؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں، کیوں کہ پانی حاصل کرنے پر تم قادر ہو، اس لیے غسل کرنا ضروری ہے۔لہٰذا انھوں نے غسل کیا۔سردی کی تاب نہ لا کر وہ انتقال کر گئے ۔جب اس واقعے کی اطلاع ہوی تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں نے انھیں ہلاک کردیا، اللہ انھیں ہلاک کردے۔جب ان کو مسئلہ نہ معلوم تھا تو ان کو معلوم کرلینا چاہیے تھا، کیوں کہ لاعلمی کا علاج سوال کرنا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ اَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَاوَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ ۔اس شخص کے لیے کافی تھا کہ تیمّم کرلیتا، اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرلیتا اور باقی سارا بدن دھولیتا''۔(ابن ماجہ: باب فی المجروح تصیبہ الجنابۃ فیخاف علی نفسہ ان اغتسل)

3۔موزوں اور جوتوں پر مسح کرنا: حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک سریہ بھیجا۔ وہاں لوگوں کو ٹھنڈک لاحق ہوی۔ جب وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس واپس آئے (تو انھوں نے ٹھنڈ لگنے کی شکایت کی) جس پر آپ ﷺ نے ان کو عمامہ پر اور موزوں پر مسح کرنے کی اجازت دی''۔(ابوداؤد: باب المسح علی العمامۃ)

4۔گرم لباس میں نماز۔ٹھنڈی اور سردی سے محفوظ رہنے کے لیے اسلام ہمیں گرم لباس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے۔حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الشِّتَاءِ فَرَأَيْتُ أَصْحَابَهُ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ فِيْ ثِيَابِهِمْ فِي الصَّلَاةِ۔(ابوداوٗد) میں موسمِ سرما میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا۔میں نے آپ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا کہ وہ نماز میں چادر کے اندر ہی رفع یدین کیا کرتے تھے(یعنی سردی کی وجہ سے ہاتھ باہر نہیں نکالتے تھے)۔

5۔ظہر کی نماز جلد ادا کرنا :اللہ کے رسول ﷺ موسمِ گرما کے مقابلے میں سرما میں نماز ظہر ذرا جلد ادا فرماتے۔حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ۔''جب گرمی کا موسم ہوتا تو نمازِ (ظہر) تاخیر سے ٹھنڈے وقت میں ادا کرتے اور جب سردی کا موسم ہوتا تو نماز جلد ادا کرتے''۔(الادب المفرد: باب الجلوس علی السریر)

6۔فرض نماز گھر میں ادا کرنا :اسلام آسان دین ہے۔جب بھی شریعت کے کسی حکم پر عمل کرنے میں بہت زیادہ دشواری پیش آئی اسلام نے آسانیاں فراہم کیں۔موسمِ سرما میں جب سردی انتہائی سخت ہوجاتی تو آپ ﷺ موذن کے ذریعے یہ اعلان کراتے کہ لوگ گھر ہی میں نماز پڑھ لیں۔ حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ ایک رات بڑی سرد تھی،اور تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ اعلان کروایا کہ لوگو! اپنے اپنے گھروں (ڈیروں) میں ہی نماز ادا کرو۔پھر فرمایا: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُوْلُ : أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمُطِيْرَةِ فِي السَّفَرِ۔ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سرد راتوں میں یا بارش والی راتوں میں موذن کو حکم دیتے کہ وہ اذان دینے کے بعد لوگوں میں یہ اعلان کردے کہ وہ گھروں میں ہی نماز ادا کرلیں۔(بخاری: باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ....)

7۔سردی سے بچاؤ کے اسلامی طریقے : سردی اور سرد موسم انسان کی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔سردی کی وجہ سے جسم کے درجۂ حرارت میں گراوٹ آتی ہے،جس سے سانس میں انفکشن کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔اس موسم میں ٹھنڈی اور خشک ہوا کے سبب زکام اور کھانسی کے جراثیم زیادہ پھیلتے ہیں۔اسی وجہ سے سردیوں کے موسم میں اکثر لوگوں کو کھانسی کی پریشانی رہتی ہے۔اسی لیے انسان سردی کے موسم میں گرم پانی،گرم لباس اور گرم اشیاء استعمال کرتا ہے۔اسلام اس طرح کی احتیاطی تدابیر

اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۔(النحل:5)''اور اسی نے چوپائے پیدا کیے، جن میں تمھارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت سے نفع ہیں اور بعض تمھارے کھانے کے کام آتے ہیں''۔

جب موسمِ سرما آتا تو امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے:

اِنَّ الشِّتَاءَ قَدْ حَضَرَ وَهُوَ عَدُوٌّ فَتَأَهَّبُوا لَهُ أُهْبَتَهُ مِنَ الصُّوفِ وَالْخِفَافِ وَالْجَوَارِبَ وَاتَّخِذُوا الصُّوفَ شِعَارًا وَدِثَارًا فَاِنَّ الْبَرْدَ سَرِيعٌ دُخُولُهُ بَعِيدٌ خُرُوجُهُ ۔ سردی کا موسم آرہا ہے، جو صحت کا دشمن ہے۔لہٰذا تم اس سے بچاؤ کے لیے گرم چادر، موزے اور جوتے تیار رکھو۔ اونی کپڑوں کو اپنا اندرونی اور اوپری لباس بنالو۔ یادرکھو! سردی (انسانی صحت پر) جلد اثر انداز ہونے والی اور دیر سے نکلنے والی ہے''۔

سردی کے موسم میں صحت مند رہنے کے لیے مدافعتی نظام کو مضبوط بنانا ضروری ہے۔جن لوگوں کی قوتِ مدافعت ٹھیک ہوتی ہے، انھیں سردی اور زکام جیسی بیماریاں متاثر نہیں کرتیں۔اس کے لیے کھانے پینے میں احتیاط لازم ہے۔ پپیتا، لوکی، گاجر، ٹماٹر اور پالک جیسی سبزیاں استعمال کرنا چاہیے۔ ورزش کا اہتمام اور بھرپور نیند بھی اس موسم میں صحت کو بحال رکھنے کے لیے ضروری ہے۔

ان جائز اور حلال طریقوں کے علاوہ سردی سے محفوظ رہنے کے بعض ناجائز اور حرام طریقے بھی ہیں۔مثلاً: نشہ آور چیزوں کا استعمال، وغیرہ، جن سے بچنا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔حضرت دیلم الحمیریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم ایک سرد علاقے میں رہتے ہیں۔ہمیں سخت محنت و مشقت کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ہم اس گیہوں سے شراب بناتے ہیں تاکہ ہمیں کام کرنے میں قوت حاصل ہو اور سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ آپؐ نے پوچھا: کیا اس سے نشہ ہوتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو اس کا استعمال جائز نہیں۔میں نے کہا: لوگ (اس کے اس قدر عادی ہوگئے ہیں کہ) اسے ترک نہیں کرسکتے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ ترک نہ کریں تو ان سے جنگ کرو۔(ابوداؤد: باب النھی عن المسکر)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تعلیمات کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

موسم گرما اور اسلامی تعلیمات

اللہ تعالیٰ نے دنیا کا جو نظام بنایا ہے، اس میں مختلف موسموں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔سال میں چار موسم آتے ہیں۔ان میں ایک اہم موسم ''موسم گرما'' ہے۔اسلام نے موسمِ گرما کے سلسلے میں بھی بہت سی ہدایات دی ہیں۔

جس طرح سردی کی شدت انسان کے لیے نا قابلِ برداشت ہوتی ہے، اسی طرح گرمی کی شدت بھی انسان کے لیے نا قابلِ برداشت ہوتی ہے۔اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علیؓ کے حق میں دعا کی: اَللّٰھُمَّ أَذْھِبْ عَنْہُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ۔ ''اے اللہ! گرمی اور سردی کی تکلیف کو ان سے دور کر دے''۔(ابن ماجہ: باب فضل علی بن ابی طالب)

ہر انسان گرمی سے دور بھاگتا ہے۔اور حتی المقدور اس سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے گرمی سے بچاؤ کے سامان بھی پیدا فرمائے ہیں۔سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ نے گرمی سے بچاؤ کے کئی اسباب کا ذکر فرمایا۔وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَکُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَکْنَانًا وَجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَأْسَکُمْ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ ۔(النحل: 81) ''اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوی چیزوں میں سے تمھارے لیے سائے کا انتظام کیا، پہاڑوں میں تمھارے لیے پناہ گاہیں بنائیں اور تمھیں ایسی پوشاکیں بخشیں جو تمھیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ دوسری پوشاکیں ہیں جو آپس کی جنگ میں تمھاری حفاظت کرتی ہیں۔اس طرح وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرتا ہے۔شاید کہ تم فرماں بردار بنو''۔

۱۔خواہ مخواہ گرمی کی شدت برداشت کرنا اور گرمی کی تکلیف میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا اور اپنے آپ کو نقصان پہنچانا درست نہیں ہے۔بعض لوگ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے کو عبادت سمجھتے ہیں

۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوا: أَبُو إِسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَقُومَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُومَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ۔ ''ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ ﷺ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو دھوپ میں کھڑا ہوا تھا۔آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابواسرائیل ہیں۔انھوں نے روزے کی نذر مانی ہے کہ وہ کھڑے رہیں گے۔نہ بیٹھیں گے، نہ سایہ حاصل کریں گے، اور نہ کسی سے بات چیت کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا: انھیں کہہ دو کہ وہ بات چیت کریں، سایہ حاصل کریں اور بیٹھ جائیں البتہ روزہ رکھ کر اپنی نذر مکمل کریں''۔(بخاری: باب النذر فیما لایملک وفی معصیۃ)

آپ ﷺ نے انھیں روزہ مکمل کرنے کا حکم دیا کیوں کہ روزہ عبادت ہے۔اس کے علاوہ کھڑے رہنے، دھوپ میں اپنے آپ کو تکلیف دینے اور بات نہ کرنے کی انھوں نے جو نذر مانی تھی، آپ ﷺ نے اس کو توڑنے کا حکم دیا کیوں کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔

۲۔آپ ﷺ نے گرمی کی شدت سے بچنے کے اسباب استعمال کیے۔حضرت ام حصینؓ فرماتی ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سفرِ حجۃ الوداع میں شریک تھی۔میں نے حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی کی لگام تھامے ہوئے تھا اور دوسرا گرمی کی شدت سے بچانے کے لیے آپ ﷺ کو سایہ کیے ہوئے تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جمرات کو کنکریاں ماریں۔(مسلم: باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر ....)

صحابہ کرامؓ جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہوکر لوٹتے تو دھوپ سے اور گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے دیواروں کا سایہ تلاش کرتے تھے۔

۳۔دھوپ اور گرمی کی تکلیف سے بچنے کے لیے کپڑے پر سجدہ کرنے کی اجازت ہے۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ وَجْهَهُ مِنَ الْأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهُ فَسَجَدَهُ عَلَيْهِ۔ ''ہم سخت گرمی کے موسم میں اللہ کے رسول ﷺ کے

ساتھ نماز پڑھتے تھے۔اگر ہم سے کوئی شخص (گرمی کی شدت کی وجہ سے) زمین پر سجدہ نہ کرپاتا تو اپنا کپڑا زمین پر پھیلا دیتا اور اس پر سجدہ کرتا''۔(ابوداؤد:باب الرجل یصلی علی ثوبہ)

۴۔نماز اول وقت میں پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اور آپ اس کا اہتمام بھی کرتے تھے مگر موسمِ گرما میں جب گرمی شدید ہوجاتی ہو آپ ﷺ ظہر کی نماز ذرا تاخیر کرکے ٹھنڈے وقت ادا کرتے۔حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں:''ایک مرتبہ ہم سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے۔موذن نمازِ ظہر کے لیے اذان دینا چاہاتو آپ ﷺ نے فرمایا:ٹھہرو،ذرا موسم ٹھنڈا ہوجانے دو۔ کچھ دیر بعد جب وہ دوبارہ اذان دینا چاہاتو آپ ﷺ نے اسے پھر روک دیا۔یہاں تک کہ ہمیں ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا،تب آپ ﷺ نے (اذان دینے کی اجازت دیتے ہوے) فرمایا:اِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ ۔''گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔اس لیے جب گرمی سخت ہوجائے تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو''۔(بخاری:باب الابراد بالظھر فی شدۃ الحر)

۵۔اگر کوئی سفر میں روزہ رکھ لے،مگر سفر کی مشقت یا گرمی کی شدت کی وجہ سے روزہ مکمل کرنا دشوار ہوتو اس کو روزہ توڑنے کی اجازت دی گئی۔حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں:''اللہ کے رسول ﷺ نے سفر میں ایک شخص کے اطراف لوگوں کی بھیڑ دیکھی،جو اسے سایہ کیے ہوے تھے۔آپ ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی۔لوگوں نے فرمایا:یہ روزے سے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ اَلصَّوْمُ فِي السَّفَرِ ۔''(اس قدر مشقت اٹھا کر) سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے''۔(بخاری:باب قول النبی ﷺ لمن ظلل علیہ واشتد الحر.......)

۶۔گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے روزے کی حالت میں آپ ﷺ جسم پر پانی بہاتے تھے۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں،وہ فرماتے ہیں:لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِّنَ الْعَطَشِ أَوْمِنَ الْحَرِّ ۔''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو مقام عرج میں روزے کی حالت میں پیاس یا گرمی کی وجہ سے سر پر پانی ڈالتے ہوے

دیکھا''۔(ابوداؤد:باب الصائم یصب علیہ الماء من العطش)

۷۔گرمی کی شدت اور پسینے کی بدبو سے بچنے کے لیےغسل کرنے کی تعلیم دی گئی۔جمعہ کے دن غسل کا جوحکم دیا گیا ہے،اس کی وجہ یہی تھی کہ پسینے کی بدبوکی وجہ سے دوسرے لوگوں کواور فرشتوں کو تکلیف نہ ہو۔حضرت عکرمہ مولی ابن عباس فرماتے ہیں کہ عراق کے کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئے اورانھوں نے دریافت کیا کہ کیا جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے؟

۸۔گرمی سے بچاؤ کے لیے اسلام ٹھنڈی چیزیں استعمال کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ حضرت عائشہؓفرماتی ہیں:کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَأْکُلُ الْبِطِّیْخَ بِالرُّطَبِ فَیَقُوْلُ : نَکْسِرُ حَرَّ ھٰذَا بِبَرْدِ ھٰذَا وَبَرْدِ ھٰذَا بِحَرِّ ھٰذَا ۔'' اللہ کے رسول ﷺتربوزکوتر کھجور کے ساتھ ملا کرکھایا کرتے تھے ۔اور فرمایا کرتے تھے : ہم کھجور کی گرمی کوتربوز کی ٹھنڈک سے اورتربوز کی ٹھنڈک کو کھجور کی گرمی سے توڑتے ہیں''۔ (ابوداؤد:باب فی الجمع بین لونین فی الاکل)

۹۔گرمی میں ہرانسان کوراستہ چلتے ہوے سائے کی تلاش ہوتی ہے۔اس لیےاسلام نے سائے داردرختوں یاسائے دار چیزوں کی حفاظت کرنے کاحکم دیا۔انھیں نقصان پہنچانے یاان کے نیچے گندگی پھیلانے کی مذمت فرمائی۔آپ نےفرمایا:اِتَّقُوااللَّعَّانَیْنِ۔قالوا:وَمَااللَّعَّانَانِ ؟یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ!قَالَ :اَلَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ أَوْفِیْ ظِلِّھِمْ۔''دولعنت کے کاموں سے بچو۔صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ!وہ لعنت کے کام کرنے والے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو لوگوں کے راستے میں یاان کے سائے کی جگہوں میں قضائے حاجت کرتا ہے''۔(مسلم:باب النھی عن التخلی فی الطرق والظلال)

۱۰۔گرمی کی شدت کے باوجودنماز باجماعت کے لیے چل کرمسجد آنااجروثواب کاباعث ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓفرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایک شخص ایساتھا کہ جس کا گھر مسجد سے سب سے دور تھا،اس کے باوجودوہ ہرنماز کے لیے چل کرآتااورنماز میں شریک ہوتا،کوئی نماز اس سے چھوٹتی نہیں تھی۔لوگوں نےاس سے کہا:لَواشْتَرَیْتَ حِمَارًا تَرْکَبُہُ فِی الظُّلَمَاءِ وَفِی الرَّمْضَاءِ۔''اتنی دور سے

چل کر آتے ہو، بہتر ہے کہ ایک سواری خرید لوتا کہ گرمی کی شدت میں اور رات کی تاریکی میں آنے جانے میں آسانی ہو'۔ انھوں نے جواب دیا: مَا یَسُرُّنِیُ أَنَّ مَنُزِلِیُ اِلٰی جَنُبِ الْمَسُجِدِ، أَنِّیُ أُرِیُدُ أَنُ یُّکُتُبَ لِیُ مَمُشَایَ اِلَی الْمَسُجِدِ وَرُجُوُعِیُ اِذَا رَجَعُتُ اِلٰی أَهُلِیُ۔ ''مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو۔ کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے مسجد کی طرف چل کر آنے اور مسجد سے گھر کی طرف لوٹنے کو نیکی لکھ دیا جائے''۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: قَدُ جَمَعَ اللّٰهُ لَکَ ذٰلِکَ کُلَّهُ۔'' اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے یہ سب ثواب لکھ دیا''۔ (مسلم: باب فضل کثرۃ الخطا الی المساجد)

۱۱۔ دنیا کی یہ گرمی، انسان کو حشر کی گرمی کی یاد دلاتی ہے۔ حشر کا دن بڑا ہی ہولناک دن ہوگا۔ جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی اور اس دن سورج لوگوں کے بالکل قریب ہوگا۔ صحیح مسلم میں حضرت مقداد بن اسود سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوے سنا: ''سورج قیامت کے دن مخلوق کے بالکل قریب ہوگا۔ صرف ایک میل کی مسافت پر ہوگا۔ لوگ اپنے گناہوں کے مطابق پسینہ میں شرابور ہوں گے۔ بعض ٹخنوں تک، بعض گھٹنوں تک اور بعض کمر تک پسینے میں ڈوبے ہوے ہوں گے۔ اور بعض لوگوں کے منہ میں پسینے کی لگام لگی ہوگی۔

اس دن کچھ خوش نصیب ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ حشر کی ہول ناکی سے بچا کر اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔ حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سات قسم کے آدمی ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا، جس دن اللہ کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔ ۱۔ انصاف پسند بادشاہ۔ ۲۔ وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں صرف کی ہو۔ ۳۔ وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔ ۴۔ وہ دو آدمی جو اللہ ہی کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں، اسی کی خاطر آپس میں جمع ہوتے ہیں، اسی کی خاطر جدا ہوتے ہیں۔ ۵۔ وہ آدمی جسے بڑے گھرانے کی حسین وجمیل عورت بدکاری کی دعوت دے تو وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ ۶۔ وہ آدمی جو اس طرح چھپا کر صدقہ کرتا ہے کہ وہ جو اپنے دائیں ہاتھ سے خرچ کرتا ہے، اس کے بائیں ہاتھ کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ ۷۔ وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے آنسو بہائے۔ (بخاری: باب الصدقۃ

بالیمین)

حشر کی گرمی سے بچنے کا ایک اہم ذریعہ صدقہ وخیرات بھی ہے۔حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: كُلُّ امْرِئٍ فِىْ ظِلِّ صَدَقَتِهٖ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ ۔''ہر انسان (میدان حشر میں) اپنے صدقے کے سائے میں ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان (جنت اور جہنم کا) فیصلہ ہو جائے''۔(احمد، وابن حبان، وصححہ الالبانی)

۱۲۔دنیا کی یہ گرمی انسان کو جہنم کی آگ اور اس کی گرمی کی یاد دلاتی ہے۔ ۹ھ میں تبوک کی جنگ پیش آئی، یہ جنگ سخت گرمی کے موسم میں پیش آئی، گرمی کی شدت کے باوجود صحابہ کرامؓ جنگ کے لیے نکل پڑے مگر منافق اس جنگ سے پیچھے رہے، وہ آپس میں کہنے لگے: لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ ۔''اس گرمی میں (جنگ کے لیے) مت نکلو''، اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی زبانی فرمایا: قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۔(التوبہ:81)''آپ ﷺ کہہ دیجیے! جہنم کی آگ اس سے زیادہ سخت ہے''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو جنازے میں شریک تھے۔دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے سائے میں جا کر پناہ لیے۔یہ دیکھ کر انھیں جھنم کی گرمی یاد آ گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

جب دنیا میں گرمی کی شدت لاحق ہوتی ہے تو انسان اس سے بچنے کے لیے ٹھنڈی ہوا، ٹھنڈا پانی اور آرام دہ سایہ تلاش کرتا ہے تا کہ گرمی سے محفوظ رہے مگر جھنم میں جہنمیوں کے لیے گرم ہوا، گرم کھولتا ہوا پانی اور آگ اگلتے ہوئے سائے ہوں گے، جس کی وجہ سے ان کی تکلیف میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوگا۔سورۂ واقعہ میں فرمایا گیا: وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ فِىْ سَمُوْمٍ وَحَمِيْمٍ وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۔(الواقعہ:44-41)''اور بائیں بازو والے، بائیں بازو والوں کی بدنصیبی کا کیا پوچھنا۔وہ لُو کی لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور کالے دھوئیں کے سائے میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ''۔

گرمی کے موسم میں اسلاف کی عبادتوں کا حال : گرمی اور اس کی شدت مومنوں کے لیے

عبادت اور نیکی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی بل کہ اللہ کے نیک بندے اس موسم میں بھی کثرت سے عبادتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ گرمی کے ایام میں روزہ رکھنا بہت ہی دشوار کام ہے، اس کے باوجود اللہ کے نیک بندے ان ایام میں روزوں کو اہتمام کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور بہت سے صحابہ کرامؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ موسم گرما میں کثرت سے روزوں کا اہتمام کیا کرتے تھے اور اس کو ''ظَمْــأُالْهَوَاجِر'' کہا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ایمان کی خصلتوں کو لازم پکڑو۔ ان میں سے پہلی خصلت یہ بیان کی :اَلصِّيَامُ فِیْ شِدَّةِ الْحَرِّفِی الصَّيْفِ۔ ''موسم گرما کی شدید گرمی میں روزوں کا اہتمام کرنا''۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں: لَقَدْ رَأَيْتُنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ بَعْضِ أَسْفَارِهِ فِی الْيَوْمِ الْحَارِّ الشَّدِيْدِ الْحَرِّ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَضَعُ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِهِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّوَمَا فِی الْقَوْمِ أَحَدٌ صَائِمٌ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺوَعَبْدُاللّٰهُ بْنُ رَوَاحَةَ۔ ''ہم ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے لوگ سروں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ اللہ کے رسول اور عبداللہ بن رواحہؓ کے سوا ہم میں سے کوئی روزے سے نہیں تھا''۔ (ابن ماجہ: باب ماجاء فی الصوم فی السفر)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ کھانے کا وقت ہوا تو دسترخوان بچھا کر سب کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ وہاں سے ایک چرواہے کا گزر ہوا۔ لوگوں نے اسے بھی کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی تو اس نے کہا: میں روزے سے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حیران ہوگئے اور کہنے لگے کہ اس تپتے ہوئے صحراء میں اور اس گرمی میں بکریاں چراتے ہوئے روزے سے ہو؟ اس نے جواب دیا: أُبَادِرُ أَيَّامِیْ هٰذِهِ الْخَالِيَةِ۔ ''آخرت کی تیاری کے لیے فرصت کے ان دنوں کو غنیمت جانتا ہوں''۔()

حضرت ابوالدرداءؓ اپنے ساتھیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: صُوْمُوْا يَوْمًا شَدِيْدًا حَرُّهُ لِحَرِّ يَوْمِ النُّشُوْرِ وَصَلُّوْا رَكْعَتَيْنِ فِیْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ لِظُلْمَةِ الْقُبُوْرِ ۔() ''سخت گرمی کے دنوں

میں روزہ رکھوتا کہ قیامت کی گرمی سے محفوظ رہ سکو اور رات کی تاریکی میں دو رکعت نماز ادا کروتا کہ قبر کی تاریکی سے محفوظ رہ سکو''۔

حضرت معاذؓ مرض الموت میں تھے ۔صبح انتقال ہونے والا تھا۔ان الفاظ میں اپنی تمنا کا اظہار کرتے ہیں: أَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّیْ لَمْ أَكُنْ أُحِبُّ الْبَقَاءَ فِی الدُّنْيَا لِجَرْیِ الْأَنْهَارِ وَلَا لِغَرْسِ الْأَشْجَارِ وَلٰكِنْ لِظَمَأِ الْهَوَاجِرِ وَمُكَابَدَةِ اللَّيْلِ وَمُزَاحَمَةِ الْعُلَمَاءِ بِالرُّكَبِ عِنْدَ حِلَقِ الذِّكْرِ ۔() ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں دنیا میں اس لیے زندہ رہنا نہیں چاہتا کہ اپنی دنیا بناؤں بل کہ گرمی کے دنوں میں بھوکا پیاسا رہنے کے لیے (یعنی روزہ رکھنے کے لیے) راتوں میں تہجد کا اہتمام کرنے کے لیے اور علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر دینی استفادہ کے لیے''۔

حضرت معاذؓ مرض الموت میں رونے لگے۔لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا: وَاللّٰهِ مَا أَبْكِیْ جَزَعًا مِّنَ الْمَوْتِ وَلَا حِرْصًا عَلٰى دُنْيَاكُمْ وَلٰكِنِّیْ أَبْكِیْ عَلٰى ظَمَأِ الْهَوَاجِرِ وَقِيَامِ لَيْلِ الشِّتَاءِ۔() ''اللہ کی قسم! میں موت سے گھبرا کر یا دنیا کے چھوٹ جانے پر نہیں رو رہا ہوں بل کہ گرمی کے ایام میں روزہ رکھنے اور سردی کی راتوں میں تہجد پڑھنے کا موقع چھوٹنے کے غم میں میں رو رہا ہوں''۔

نوجوانوں کی کردار سازی کا فقدان

نوجوان کسی بھی قوم کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ جوانی کا مرحلہ بہت ہی اہم ہوتا ہے، اسی دور میں عادتیں بنتی بھی ہیں اور بگڑتی بھی ہیں، نیز افکار وخیالات اور جذبات واحساسات میں حیرت انگیز تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے، جنسی خواہشات انگڑائیاں لیتی ہیں اور دنیا کی رنگینیاں اور دلفریبیاں اپنی طرف دعوت دینے لگتی ہیں۔ اس مرحلے میں ذراسی لغزش نوجوانوں کو ہلاکت کے عمیق غار میں دھکیل دیتی ہے۔ اور اگر اس مرحلے میں ان کو سہارا دیا جائے اور صحیح سمت ان کی رہنمائی کی جائے تو منزل مقصود تک پہنچنے اور قوم وملت کو ترقی کے اوجِ ثریا پر پہنچانے کے لیے وہ پہاڑوں سے ٹکرانے، سمندروں میں کود پڑنے، دہکتی ہوی آگ کے دریا پار کرنے اور تپتے ہوے ریگزاروں سے گزرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

یہ امت مسلمہ کی خوش نصیبی ہے کہ اس کے نوجوانوں کی تعداد دیگر اقوام کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ''گزشتہ صدی میں اقوام متحدہ نے عالمی مردم شماری کی فہرست جاری کی تھی، جس میں بتایا گیا تھا کہ بیسویں صدی کے اختتام تک مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار چھ سوملین ہو جائے گی۔ اگر ہم اس میں نوجوانوں کی تعداد چھ سوملین بھی فرض کرلیں تو یہ تعداد یورپ کی مجموعی تعداد سے کہیں زیادہ ہے''۔(اهمية الشباب في بناء الأمم او سقوطها، ص:١٤)

اس وقت امت مسلمہ کے پاس نوجوانوں کی شکل میں ایک ایسا قیمتی سرمایہ موجود ہے جو کسی اور قوم کے پاس نہیں۔ مگر یہ سرمایہ امت کے مسائل اور مشکلات کو دور کرنے والا بننے کی بجائے ان میں اضافے کا باعث بنا ہوا ہے۔ اس وقت سب سے اہم مسئلہ نوجوانوں کی تربیت اور اصلاح کا ہے۔ امت مسلمہ کے پاس ان کی تربیت، کردار سازی اور ذہن سازی کا کوئی واضح پروگرام نہیں جس کی وجہ سے مسلم نوجوان مختلف قسم کے انحرافات کا شکار ہیں۔

(۱) نوجوانوں میں بے مقصدیت عام ہے، جس کی وجہ سے وہ کسی بھی میدان میں ترقی نہیں کر پا رہے ہیں۔ایک دو قدم بڑھانے کے بعد مایوسی کا شکار ہو کر قدم پیچھے ہٹا لیتے ہیں، ان کی حالت اس شعر کے مصداق ہے ۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

(۲) صحیح رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے اکثر نوجوان جنسی اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔موجودہ دور میں ہر طرف فحاشی، عریانیت اور بے حیائی عام ہے، آج یہی چیزیں تہذیب وتمدن کی علامت سمجھی جانے لگی ہیں۔مسلم نوجوانوں پر اس تہذیب کے جو منفی اثرات مرتب ہوئے، اس کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا ۔

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیب حاضر میں — بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تنِ خاکی
نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے — یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
تغیر آ گیا ایسا تدبر میں، تخیل میں — ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی
کیا گم تازہ پروانوں نے اپنا آشیاں لیکن — مناظر دل کشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی

(۳) مسلم نوجوان اپنے مذہب کے سلسلے میں بڑے حساس اور جذباتی واقع ہوئے ہیں ، ان کے جذبات واحساسات کو صحیح رخ نہ دینے کی وجہ سے ہمیشہ ملت کو نقصان ہی پہنچا ہے اور اعدائے اسلام مسلم نوجوانوں کی اس کمزوری سے اچھی طرح واقف ہیں، اپنے مفادات کو بروئے کار لانے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اس حربے کو برابر استعمال کرتے آ رہے ہیں۔فتنہ وفساد کا آغاز اعدائے اسلام کی جانب سے ہوتا ہے مگر مسلم نوجوان اس کے جواب میں کوئی ایسی غیر قانونی حرکت کر بیٹھتے ہیں کہ سارا الزام ان کے سر آ جاتا ہے۔ابھی چند سال قبل کی بات ہے کہ شہر بنگلور کے مختلف علاقوں کی تین مسجدوں میں جمعہ کے دن فجر کی نماز سے قبل خنزیر کا سر پایا گیا، سمجھ دار لوگوں نے فوراً محکمۂ پولس کو اس حادثے کی اطلاع دی، مگر جب شہر میں یہ بات پھیل گئی تو کچھ جذباتی نوجوان اس واقعے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے اور بے گناہ

لوگوں کونقصان پہچانے لگے،آخرکار پولس نے لاٹھی چارج کرکے کئی نوجوانوں کوگرفتار کرلیا،اس طرح یہ معاملہ مخالف رخ اختیار کرگیا۔یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ اس طرح کے سیکڑوں واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں جن سے عالمی پیمانے پر اسلام کا روشن چہرہ داغدار ہورہا ہے اور مسلمانوں کی رسوائی اور بدنامی ہورہی ہے۔

(۴) نوجوانوں کی دینی تعلیم وتربیت کا صحیح نظم نہ ہونے کی وجہ سے ایک بڑی تعداد علماء سے بے نیاز ہوکر دینی تعلیم کے حصول کے لیے براہِ راست کتابوں، سی۔ڈی اور انٹرنیٹ سے استفادہ کررہی ہے جس کا نقصان یہ ہورہا ہے کہ دین کا غلط تصور عام ہوتا جارہا ہے۔ایسے ہی نوجوانوں کے بارے میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:''ان کا علم کتابوں کے ذاتی مطالعے تک محدود ہے ،جہاں غور وفکر، بحث ومباحثہ، اخذ ورَد اور تحلیل وتجزیہ کا کوئی موقع نہیں ہوتا،ان لوگوں نے خود ہی ایک چیز پڑھی، سمجھی اور اسی سے استنباط کرنے لگے۔بسا اوقات ان لوگوں کے مطالعہ،فہم اور استنباط تینوں میں خامی رہتی ہے لیکن انہیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا''۔(اسلامی بیداری انکار اور انتہاء پسندی کے نرغے میں:۱۰۲)

نوجوانوں کی تربیت اور کردار سازی سے غفلت امت کی ترقی کی راہ میں نہ صرف رکاوٹ ہے بلکہ زوال امت کا اہم سبب بھی ہے۔

کردار سازی کی اہمیت:اسلام میں تربیت اور کردار سازی پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد کردار سازی بھی تھا، چنانچہ قرآن مجید نے کئی مقامات پر آپ ﷺ کی بعثت کے اس مقصد کو بیان کیا ہے۔فرمایا گیا:هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ . (الجمعہ:۲)'' وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے''۔

کردار سازی کے عناصر :والدین، مسجد، مدرسہ، دوست احباب، ماحول اور ذرائع ابلاغ نوجوانوں کی اصلاح وتربیت کے اہم اور بنیادی عناصر ہیں۔اسلام نے ان میں سے ہر ایک کی ذمہ

داریاں متعین کردی ہیں۔اگر یہ عناصر اپنی اپنی ذمہ داری صحیح طور پر انجام دیں تو نوجوانوں کی تربیت صحیح خطوط پر ہوگی۔اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اپنا کردار ذمہ داری کے ساتھ انجام نہ دے تو نوجوانوں کے کردار پر لامحالہ اس کے منفی اثرات ضرور مرتب ہوں گے۔

بچوں کی تربیت میں والدین کا رول : نوجوانوں کی تربیت اور کردار سازی کا آغاز والدین سے ہوتا ہے۔بچے سب سے زیادہ اپنے والدین سے سیکھتے ہیں۔اُن کے اچھے اور برے عادات واطوار شعوری یا غیر شعوری طور پر بچوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، اسی لیے اسلام والدین کو اولاد کی تربیت پر خصوصی توجہ دینے کا حکم دیتا ہے۔تربیتِ اولاد کے سلسلے میں اسلام نے والدین کو تفصیلی ہدایات دی ہیں جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر اولاد کی تربیت کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

(۱)سب سے پہلے وہ نیک جوڑے کے انتخاب کی تعلیم دیتا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ. (صحیح الترغیب والترھیب : ۱۹۲۰)''چار چیزوں کی بنیاد پر عورت سے شادی کی جاتی ہے،اس کے مال کی وجہ سے، خاندان کی وجہ سے، خوبصورتی کی وجہ سے اور دین داری کی وجہ سے،تم دین داری کو ترجیح دو''۔

(۲) نیک بیوی اور نیک اولاد کے لیے دعا کرنے کا بھی حکم دیا گیا: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا. (الفرقان:۷۴)''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے''۔

حضرت ابراہیمؑ اولاد کے لیے ان الفاظ میں دعا مانگی : رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ۔ (الصافات:۱۰۰)''اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما''۔

(۳) شادی کے بعد پہلی ملاقات میں یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا گیا : اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ. (ابوداؤد:۲۱۶۰)''اے اللہ! میں تجھ سے (اپنی بیوی) کے خیر کا سوال کرتا ہوں اور اس بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس پر تو نے اس کو پیدا فرمایا ہے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی برائی سے اور اس برائی

سے جس پر تو نے اس کو پیدا فرمایا ہے''۔

(۴) ہم بستری سے قبل یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی گئی : بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبۡنَا الشَّيۡطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيۡطَانَ مَا رَزَقۡتَنَا. (ابوداؤد:۲۱۶۱) ''اللہ کے نام سے، اے اللہ! ہمیں شیطان کے شر سے بچا اور جو اولاد ہمیں عطا کرے انہیں بھی شیطان کے شر سے محفوظ رکھ''۔

(۵) پیدائش کے بعد اچھا نام رکھنے اور ساتویں دن عقیقہ کرنے کا حکم دیا گیا۔()

(٦) بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کی ترغیب دینے کا حکم دیا گیا اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز ترک کرنے پر مارنے کا حکم دیا گیا، اسی طرح اس کا بستر الگ کرنے کا بھی حکم دیا گیا۔(صحیح وضعیف الجامع الصغیر:٤١٨)

(۷) سن شعور کو پہنچ جائے تو اسلامی آداب اور معاشرتی مسائل سے آگاہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا لِيَسۡتَأۡذِنۡكُمُ الَّذِيۡنَ مَلَكَتۡ أَيۡمَانُكُمۡ وَالَّذِيۡنَ لَمۡ يَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡكُمۡ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنۡ قَبۡلِ صَلَاةِ الۡفَجۡرِ وَحِيۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ وَمِنۡ بَعۡدِ صَلَاةِ الۡعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوۡرَاتٍ لَّكُمۡ (النور:۵۸) ''اے ایمان والو! تم میں سے تمہاری ملکیت کے غلاموں کو اور انہیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں (اپنے آنے کی) تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے اور عشاء کی نماز کے بعد''۔

(۸) دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کی تلقین کی گئی۔ سورۂ تحریم میں ارشاد ہے :يَاأَيُّهَاالَّذِيۡنَ آمَنُوۡا قُوۡا أَنۡفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ. (التحریم:٦) ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں''۔

(۹) ساتھ ہی دین پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے رہنے کی ہدایت کی گئی، جیسا کہ ارشاد ہے: وَأَصۡلِحۡ لِيۡ فِيۡ ذُرِّيَّتِيۡ۔(الاحقاف:۱۵) ''اور تو میری اولاد بھی صالح بنا''۔

(۱۰) اور جب بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو دین دار اور بااخلاق جوڑے سے ان کی

شادی کرنے کا حکم دیا گیا: وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ. (النور:۳۲) ''اور تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی۔ اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے امیر بنا دے گا''۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ وَإِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ. (ابن ماجه :۱۹٦۷) ''جب تمہارے پاس کوئی ایسا رشتہ آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کراؤ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین فتنہ و فساد عام ہوگا''۔

موجودہ دور میں ماں باپ اپنی اولاد کی کردار سازی میں وہ رول نہیں ادا کر رہے ہیں جو اسلامی معاشرے کے لیے مطلوب ہے۔ والدین کو یہ فکر ہی نہیں کہ ان کے بچوں کے شب و روز کیسے گزار رہے ہیں، ان کی مصروفیات کیا ہیں، ان کے دوست احباب کا حلقہ کیسا ہے، ان کے عادات واطوار کیسے ہیں بلکہ بعض تو ایسے بھی ہیں جنہیں یہ تک خبر نہیں ہوتی کہ ان کا بچہ کس جماعت میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ شیخ سفر الحوالی لکھتے ہیں: ''ہائی اسکول کے ایک پرنسپل نے اپنے ایک طالب کی تعلیمی حالت سے آگاہ کرنے کے لیے اس کے والد کو طلب کیا۔ بچے کے والد تاخیر سے پہنچے، سبب دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے بچے کو تلاش کرنے کے لیے پرائمری اسکول چلے گئے تھے، وہاں پتہ چلا کہ ان کا بچہ گزشتہ سال ہی یہاں سے فراغت پا چکا ہے۔ بعد میں بچے کی ماں سے وہ اسکول پتہ معلوم کر کے یہاں پہنچے ہیں جس کے سبب تاخیر ہوگئی۔ اس طرح کی ہمارے معاشرے میں سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں جن سے والدین کی غفلت کا پتہ چلتا ہے۔ ماؤں کا حال تو اس سے بھی برا ہے۔ جلسے جلوس، اور تقریبات میں شرکت کرنے، سہیلیوں سے ملاقات کرنے اور بازاروں میں شاپنگ کرنے سے انہیں فرصت نہیں ملتی۔ انہیں اپنے بچوں کی تربیت کی مطلق پروا نہیں ہوتی۔ ان کے بچوں کی پرورش گھر کی وہ خادمہ کرتی ہیں جو تربیت کے اصول سے نابلد ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ بچوں کو جتنی اپنائیت گھر کی خادمہ سے ہوتی ہے اتنی محبت اپنے والدین سے نہیں ہوتی، خادمہ جب ان بچوں سے

جدا ہوتی ہے تو بچے ایسا روتے ہیں گویا کہ ایک شفیق اور مہربان ماں ان سے جدا ہوی ہے۔

مدرسہ اور تعلیم کا کردار: نوجوانوں کی کردار سازی کا دوسرا اہم مرکز مدرسہ ہے ، جہاں نوجوانوں کو تعلیم کے ساتھ تربیت کے زیور سے بھی آراستہ کیا جاتا ہے۔عہد نبوی میں تعلیم اور تربیت جدا جدا نہیں تھے۔رسول اکرم ﷺ کے مدرسے میں پڑھنے والا طالب علم تعلیم کے ساتھ تربیت کے زیور سے بھی آراستہ ہوتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوے فرمایا: يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (البقرہ:۱۲۹)''وہ ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے،انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے''۔

استاذ کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کو نکھارے اور پروان چڑھائے،اور معاشرے کی ضرورت کے مطابق انہیں تیار کرے۔آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کی اس انداز سے تربیت کی کہ وہ نہ صرف اخلاق وکردار کے پیکر بن گئے بلکہ معاشرے کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت کے مالک بھی ہو گئے۔آپ ﷺ کی تربیت پانے والوں میں مصعب بن عمیرؓ،ابوذر غفاریؓ،ابوموسی اشعریؓ،معاذ بن جبلؓ اور علی بن ابی طالبؓ جیسے دعاۃ ومبلغین بھی تھے۔ایسے جواں مرد بھی تھے جنھوں نے سلاطینِ وقت اور شاہانِ عالم کے ایوانوں کے دروازے کھٹکھٹائے،چنانچہ عمرو بن امیہ ضمریؓ شاہ حبش نجاشی کے پاس،عبداللہ بن حذافہؓ شاہ فارس خسرو پرویز کے پاس،دحیہ کلبیؓ شاہِ روم قیصر کے پاس،علی بن حاکم بحرین کے پاس،عمرو بن عاصؓ شاہ عمان کے پاس،حارث بن عمیر ازاریؓ امیر بصری کے پاس دعوت حق لے کر پہنچے۔علم وفقہ کے میدان میں حضرت عائشہؓ،ابو ہریرہؓ،عبداللہ بن عباسؓ،عبداللہ بن عمرؓ،عبداللہ بن مسعودؓ،انس بن مالکؓ جیسے نوجوان نظر آتے ہیں۔زہد وتقوی میں عبداللہ بن عمرؓ،ابوالدرداءؓ اور ابوذر غفاریؓ جیسے خدا پرست نظر آتے ہیں۔تجارت کے میدان میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ،ابوبکر صدیقؓ اور عثمان غنیؓ،زراعت میں ابوطلحہؓ،عبداللہ بن جابرؓ اور دیگر انصاری صحابہ دکھائی دیتے ہیں۔جہاد کے میدان میں عبد بن زبیرؓ ،خالید بن ولیدؓ،عمرو بن العاصؓ،عبیدہ بن جراحؓ،عکرمہ بن ابی جہلؓ،اسامہ بن زیدؓ جیسے مجاہدین نظر آتے ہیں۔زمام قیادت وسیادت سنبھالنے کے لیے ابوبکرؓ،عمرؓ،عثمانؓ،علیؓ اور معاویہ جیسے کامیاب

سیاست داں دکھائی دیتے ہیں۔

دینی مدارس خصوصا مدارس کے ساتھ دارالاِ قامہ کے قیام کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا۔ان مدارس میں ایسے ہی اساتذہ کا تقرر ہوتا تھا جو تدریس کے ساتھ تربیت اور کردار سازی کی بھی اہلیت رکھتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ ماضی میں ان مدارس سے جہاں قابل اہلِ علم نکلے وہیں دنیا کے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی کرنے والے افراد بھی معاشرے کو میسر ہوے۔مگر دور حاضر میں مدارس اپنا یہ کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں، جس کی ایک اہم وجہ دینی اور دنیوی علوم کی تقسیم ہے، اکثر مسلم نوجوان دنیوی تعلیم کی غرض سے عصری اسکول اور کالج کا رخ کرتے ہیں جہاں اعلی سے اعلی تعلیم تو حاصل ہوجاتی ہے مگر وہ اخلاق وکردار کے زیور سے عاری ہوجاتے ہیں۔عصری نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوے علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم	ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر	سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو	ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب	سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

اور اکبرالہ بادی نے کہا:

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

ایک دوسری جگہ علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

خوش تو ہم بھی ہیں جوانوں کی ترقی سے مگر	لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم	کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اور جو خالص دینی ادارے ہیں ان میں بھی تربیتی ناحیے سے بہت بڑا خلا پایا جاتا ہے۔اس کا تعلق اساتذہ سے بھی ہے اور نصابِ تعلیم ،نظامِ تعلیم اور منہج اور طریقۂ تدریس سے بھی ہے۔

نوجوانوں کی تربیت میں مساجد کا کردار :اسلامی معاشرے میں مساجد

کوسب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔یہی تربیت کے حقیقی مراکز ہیں۔دورنبوی میں معاشرے کے ہر فرد کامسجد سے گہرا ربط ہوتا تھا۔اگر کوئی مسجد سے غیر حاضر ہوتا تو اس کے بارے میں دریافت کیا جاتا۔ ثابت بن قیسؓ ایک انصاری صحابی ہیں،جن کی آواز فطری طور پر بلند تھی،جب سورۂ حجرات کی دوسری آیت نازل ہوی کہ ''جولوگ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند کرتے ہیں،ان کے اعمال ضائع ہوجائیں گے''۔تو وہ اپنے گھر ہی میں بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کی مجلس سے غیر حاضر رہنے لگے،جب آپ ﷺ نے کئی دنوں تک ان کو غیر حاضر پایا تو صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ ثابت کہاں ہیں؟ ان کے ایک پڑوسی نے کہا کہ میں ان کا پتہ لگاتا ہوں۔جب وہ ان کا حال دریافت کرنے کے لیے گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہیں،سبب دریافت کرنے پر بتایا کہ میں اپنی آواز رسول کی آواز سے بلند کرتا تھا،اس لیے میرے اعمال ضائع ہوگئے اور میں جہنمیوں میں سے ہوگیا۔جب اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ہوی تو آپ ﷺ نے کہلا بھیجا: اِنَّکَ لَسۡتَ مِنۡ أَھۡلِ النَّارِ وَلٰکِنۡ مِنۡ أَھۡلِ الۡجَنَّةِ. (بخاری:۳۳۴۴)''ان سے کہہ دو کہ تم جہنمیوں میں سے نہیں ہو بلکہ تم جنتی ہو''۔

سیرت میں اس طرح کے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ امام مسجد کا معاشرے کے افراد سے گہرا ربط ہوتا تھا اور یہاں مسلمانوں کی ہر طرح تربیت کی جاتی تھی ۔ ۔۔دور حاضر میں مسجد کا یہ کردار او جھل ہوگیا ہے۔مسجد میں خطاب صرف ان لوگوں سے ہوتا ہے جو مسجد میں موجود ہوتے ہیں۔جو مسجد سے دور ہوں نہ تو ان کو مسجد سے قریب کرنے کی کوئی فکر کی جاتی ہے اور نہ ان کی اصلاح وتربیت کا کوئی انتظام کیا جاتا ہے۔مسجد کے باہر اگر کوئی برائی ہورہی ہو تو ائمۂ مساجد نہ تو اس کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں اور نہ اس کی اصلاح کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔جبکہ رسول اکرم ﷺ کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ بازاروں اور سڑکوں میں گھوم پھر کر لوگوں کی اصلاح فرماتے۔ایک مرتبہ آپ ﷺ بازار گئے،وہاں اناج کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اس میں گیلا پن محسوس کیا۔تاجر سے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ رات بارش ہوگئی تھی جس کی وجہ سے اناج گیلا ہوگیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:أَفَلا جَعَلۡتَهُ فَوۡقَ الطَّعَامِ حَتّٰی یَرَاهُ النَّاسُ.''اس گیلے اناج کو تم نے اوپر کیوں نہیں کیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہوجاتا''۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا:مَنۡ غَشَّنَا فَلَیۡسَ مِنَّا ۔(صحیح الترغیب

والترهیب :۱۷۶۵)''جوہم مسلمانوں کودھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں''۔آج مساجد سے اس کردار کودوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

کتابوں اور ذرائع ابلاغ کاکردار: کتابوں کی افادیت اوراہمیت ہردور میں مسلم رہی ہے،نوجوانوں کی تعمیر وتخریب میں کتابوں نے اہم کرداراداکیا ہے۔لوگوں کی تعمیر سیرت میں قرآن مجید نے جوکرداراداکیااوراہل دنیاپراس کے جوزبردست اثرات مرتب ہوے ہرکوئی اس کامعترف ہے۔یہ اسی کتابِ ہدایت ہی کااثر تھا کہ شاہ حبش نجاشی،عمر بن خطاب،طفیل بن عمرودوسی،سلمان فارسی ،صہیب رومی اورابوذرغفاری جیسے سیکڑوں افرادنے اس کی آیتوں کوسن کراس کی دعوت پر لبیک کہا۔اور ولید بن مغیرہ،عتبہ بن ربیعہ اورابوجہل جیسے سرکش اورمعاندین اسلام بھی اس سے متاثر ہوے بغیر نہیں رہ سکے۔

دورحاضر میں کتابیں بھی نوجوانوں کی تخریب کاری میں اہم ذریعہ بنے ہوے ہیں۔غلط افکارونظریات کوپھیلانے میں ہٹلر کی کتاب''میری جدوجہد''کارل مارکس کی کتاب''سرمایہ....... اوراسٹالین کی تحریروں نے جورول اداکیاوہ مغربی تہذیب کی شکل میں ہمارے سامنے ہے،جس سے مسلم نوجوانوں کی اکثریت متاثر ہے۔۔۔ان کے علاوہ اخبارات ورسائل ہفت روزہ،پندرہ روزہ اور ماہنامے سیکڑوں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں جن میں بے سروپا کہانیاں اورعشق ومعاشقے کی جھوٹی داستانیں ایسے پرکشش انداز میں بیان کی جاتی ہیں کہ پڑھنے والے کے دل ودماغ پراس کے منفی اثرات مرتب ہوے بغیر نہیں رہتے۔جدید سائنسی ترقی نے جوآلات ایجادکیے ہیں ان میں ٹی وی ،انٹرنیٹ اوردیگروسائل وذرائع ہیں جونوجوانوں کی کردارکشی میں کتابوں سے کہیں زیادہ اثرانداز ہورہے ہیں۔اس فتنے کے سدباب کے لیے ضرورت ہے کہ ایسی کتابیں تیار کی جائیں اورایسے پروگرام ترتیب دیے جائیں جوتعمیر سیرت کاکام دیں۔

دوست واحباب کاکردار:انسان کی زندگی کوبنانے اوربگاڑنے میں دوستوں کاکردار بھی بہت اہم ہوتا ہے۔اگر نیک،بااخلاق،بامقصداوربلندفکر رکھنے والے دوست مل جائیں تونہ صرف زندگی سدھر جائے گی بلکہ معاشرے میں ایک صالح انقلاب رونما ہوگا۔اس کے برعکس اگر برے

،بدکردار، بے مقصد اور غلط افکار کے حامل افراد سے دوستی ہوجائے تو دینی اور دنیوی اور جسمانی ہر اعتبار سے ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ أَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ ۔(ابوداؤد:۴۸۳۳)''انسان اپنے دوست کے طور طریقوں پر ہوتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھے دوست کا انتخاب کرے''۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا قول ہے کہ ''برے دوست سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے کسی نیک آدمی کی صحبت اچھی ہے''۔۔۔۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی لائق دوست دوستی کے لیے نہ ملے تو پھر کسی نا اہل سے دوستی مت کرو''۔۔۔۔حضرت علقمہؒ یہ دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ یَسِّرْ لِیْ جَلِیْسًا صَالِحًا.(نسائی: ٤٦٥)''اے اللہ! مجھے نیک ہم نشین عطا فرما''۔

مخلوط معاشرے میں علماء اور مسلم رہنماؤں کا کردار: ہندوستان جیسے مخلوط معاشرے میں علماء اور مسلم رہنماؤں کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔ان تمام عناصر کے ساتھ ایسے مخلوط معاشرہ میں جہاں بدی اور معصیت کی کارفرمائی ہو ضروری ہے کہ جگہ جگہ ایسے مراکز اور سنٹرس قائم کیے جائیں جہاں افرادسازی اور کردارسازی کا مستقل انتظام ہو، اس کے بغیر معاشرے کے برے اثرات سے محفوظ رہنا ناممکن ہے۔مکہ مکرمہ میں جب آپ ﷺ نے دعوت آغاز کیا تو اپنی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی کردارسازی کے لیے ایک تربیتی سنٹر بھی قائم فرمایا تھا، جس کا مرکز مکہ کے شوروہنگاموں سے دور ایک صحابی ابوارقم کے گھر کو تھا۔اسی طرح شعب ابی طالب میں رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی تین سالہ محصوری بھی افرادسازی اور کردارسازی کا ایک غیبی انتظام تھا، اس تربیت کا جو اثر ہوا وہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، اسی طرح آپ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد افرادسازی کے لیے مسجد کے ساتھ ساتھ ''صفہ'' نامی ایک الگ تربیتی سنٹر قائم کیا جس میں سیکڑوں طلبہ تعلیم کے ساتھ زیورِ تربیت سے آراستہ ہوتے تھے۔

مذکورہ وسائل کو اپنا کر نوجوانوں کی کردارسازی کی جاسکتی ہے۔آج اس طرف توجہ دینے کی اہم ضرورت ہے۔نوجوانوں کی کردارسازی اس وقت مسلم قوم کا بہت ہی اہم مسئلہ ہے، جس کا شعور امت میں بہت کم پایا جاتا ہے۔اگر اس عظیم سرمائے کی طرف خاطر خواہ توجہ دی جائے اور اسے اسلامی

رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جائے تو پھر اس انقلاب کو بہت جلد سر کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے جس کی تمنا ہر دردمند مسلمان کر رہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ۞۞۞۞

منصوبہ بندی

(ہجرت نبوی کا ایک اہم سبق)

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔اسلامی سال کا آغاز حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ہوا۔بعض صحابہ کرامؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ بات رکھی کہ اسلام ایک مکمل دین ہے،اور مسلمانوں کی اپنی ایک ممتاز تہذیب ہے،اس لیے ان کا اپنا کیلنڈر بھی ہونا چاہیے،جس سے وہ اپنی تاریخ کا آغاز کریں۔حضرت عمرؓ نے ان سے اتفاق کیا اور مشورہ چاہا کہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز اسلامی تاریخ کے کس واقعے سے کیا جائے؟ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت سے کیا جائے۔کسی نے کہا: نبوت کے واقعے کو بنیاد بنایا جائے۔کسی نے کہا: ہجرت کے واقعے سے اسلامی تاریخ کا آغاز کیا جائے۔حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور سب نے اس سے اتفاق بھی کیا،کیوں کہ ہجرت کا واقعہ اسلامی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس سے قبل مسلمان مکہ میں 13 سال تک مظلومیت کی زندگی گزارتے رہے۔آخر کار انھیں اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔اس طرح مکہ کی اس تاریک رات کے بعد مدینہ میں اسلام کی ایک نئی صبح اور نئے دور کا آغاز ہوا۔ہجرت کے بعد صرف دس سال کی قلیل مدت میں اسلام جزیرۂ عرب سے نکل کر روم اور ایران کی سرحدوں کو پھاندتا ہوا ان کے ایوان شاہی کے آہنی دروازوں پر دستک دینے لگا۔ہجرت کا یہی وہ روشن پہلو تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے اسلامی تاریخ کی بنیاد اس واقعے پر رکھی اور اس کی ابتدا 'محرم الحرام' کے مہینے سے کی۔

ہجرت کے اس واقعے میں مسلمانوں کے لیے بہت سی نصیحتیں ہیں۔ایمان کی حفاظت،دین پر استقامت،اللہ پر توکل،ایثار وقربانی اور حکمِ الٰہی کی بجا آوری کے لیے ہمیشہ تیار رہنا وغیرہ۔

ہجرت نبوی کا ایک اہم سبق منصوبہ بندی اور پلاننگ بھی ہے۔کسی بھی کام کو مفید،موثر اور کامیاب بنانے کے لیے منصوبہ بندی بہت ضروری ہے۔ہجرت کے موقع پر مشرکینِ مکہ نے آپ ﷺ کا

کام تمام کرنے کے لیے درجِ ذیل منصوبہ بندی کی تھی:

1۔مکہ کے سرداروں نے رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے خفیہ مشورہ کیا۔

2۔اس مشورے میں طے کیا گیا کہ محمد ﷺ کو قتل کرنے کے لیے مکہ کے ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد منتخب کیا جائے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اگر کوئی ایک فرد یا ایک خاندان ہی شریک ہوگا تو آپ ﷺ کے خاندان والے اس سے بہ آسانی بدلہ لے سکتے ہیں۔اگر مکہ کے سارے خاندان شریکِ قتل ہوں تو تنہا بنوعبد مناف سب سے بدلہ نہیں لے سکتے۔

3۔آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے انھوں نے رات کے اندھیرے کا انتخاب کیا، تاکہ قاتل کو کوئی پہچان نہ سکے۔

4۔جب اللہ کے رسول ﷺ مکہ سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے تو مکہ والوں نے مکہ سے نکلنے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر کے سخت نگرانی شروع کر دی اور یہ اعلان کر دیا کہ جو بھی محمد ﷺ اور ابوبکرؓ کو زندہ یا مردہ ڈھونڈ نکالے گا، اسے ان دونوں کی مجموعی دیت دوسو اونٹ بطور انعام دی جائے گی۔ (بخاری:**3906**)

5۔ماہر سراغ رساں بلائے گئے اور انھیں بھاری معاوضے کا لالچ دیا گیا، تاکہ نقوشِ قدم دیکھ کر کھوج لگائیں کہ آپ ﷺ اور آپؐ کے ساتھی کدھر گئے ہیں؟ مشہور سراغ رساں کُرز بن علقمہ کھوج لگاتے ہوئے غارِ ثور تک پہنچ گیا اور حیرت سے کہنے لگا: یہاں پہنچ کر نشانات ختم ہو جاتے ہیں۔یہاں سے آگے کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ دائیں گئے یا بائیں، یا پہاڑ پر چڑھ گئے ہیں؟۔(سیرت نبوی: مہدی رزق اللہ احمد:**447** بحوالہ المستدرک للحاکم:**6/3**)

یہ مشرکین کی منصوبہ بندی تھی۔اللہ تعالیٰ ان کی اس سازش اور منصوبہ بندی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ وَیَمۡکُرُوۡنَ وَیَمۡکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الۡمَاکِرِیۡنَ ۔(الانفال:**30**) ''اور اس واقعے کو بھی یاد کیجیے! جب کہ کافر آپ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں، یا قتل کر دیں یا وطن سے نکال دیں، اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے مستحکم تدبیر کرنے والا ہے''۔

اللہ نے ان کی اس سازش اور منصوبہ بندی کو ناکام کر دیا۔

اس کے برعکس اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس موقع پر منصوبہ بندی کی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لمحوں میں آپ ﷺ کو مکہ سے مدینہ پہنچانے کا انتظام کرسکتا تھا، جس طرح معراج کے موقع پر کیا گیا، مگر آپ ﷺ کے اس سفرِ ہجرت سے امت کو سبق دینا مقصود تھا۔

نبی کریم ﷺ نے سفرِ ہجرت سے تقریباً دو سال پہلے ہی منصوبہ بندی فرمائی۔ جب مکہ میں دعوت کی راہ میں رکاوٹیں بڑھنے لگیں تو آپ ﷺ کو ایک پناہ گاہ کی فکر لاحق ہوی، تاکہ وہاں رہ کر دعوتی سرگرمیوں کو تیز کیا جائے۔ حج کے موقع پر جب بھی باہر سے کوئی قافلہ آتا تو آپ ﷺ اس سے ملاقات کرتے اور اس سے تعاون کی درخواست کرتے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْرِضُ نَفْسَهُ عَلَى النَّاسِ فِي الْمَوْقِفِ فَقَالَ :أَلَا رَجُلٌ يَحْمِلُنِيُ إِلٰى قَوْمِهِ فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُوْنِيُ أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّيُ (ابوداوٗد:باب فی القرآن) ''اللہ کے رسول ﷺ موسمِ حج میں لوگوں سے ملاقات کرتے اور فرماتے: کیا کوئی ایسا شخص ہے جو مجھے اپنی قوم میں لے جائے، کیوں کہ قریش نے مجھے اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچانے سے روک رکھا ہے''۔

نبوت کے بارھویں سال مدینہ سے 12/لوگ حج کے لیے مکہ پہنچے۔ جب اس کی اطلاع ہوی تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں دین کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ میں دعوت وتبلیغ کے لیے روانہ فرمایا۔ مصعبؓ کی کوششوں سے ایک ہی سال میں مدینہ کی ایک بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوی۔ دوسرے سال حج کے موقع پر مدینہ سے 72/افراد مکہ تشریف لائے اور ان لوگوں نے آپ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا: کیا تم میری حفاظت کروگے؟ اور اس دین کی نشر واشاعت میں میرا تعاون کروگے؟ سب نے وعدہ کیا اور عہد کیا کہ ہم آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے اور اس دین کی خدمت کے لیے اپنی جان، مال اور اپنا سب کچھ قربان کردیں گے۔ اس عہد کو ''بیعتِ عقبۂ ثانیہ'' کہا جاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ان 72/افراد میں سے بارہ نقیب اور سردار مقرر کیے، تاکہ مدینہ میں اسلام کا کام منظّم انداز میں ہوسکے، کیوں کہ آپ ﷺ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر آپ ﷺ اور مسلمان مدینہ ہجرت کرجائیں گے تو مکہ کے مشرک خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ وہ مدینہ کے مسلمانوں سے بدلہ لینے کی پوری کوشش کریں گے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مدینہ کے مسلمانوں میں دینی حمیت پیدا کی

جائے اور انھیں منظّم اور متحد کیا جائے۔

پھر جب ہجرت کا حکم دیا گیا تو اس موقع پر آپ ﷺ نے درج ذیل منصوبہ بندی کی:

1۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس سفر کی اطلاع دینے کے لیے دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، جو عام طور پر عربوں کے آرام اور قیلولہ کا وقت تھا۔ اور اس وقت ابوبکرؓ کے گھر جانے کا آپ ﷺ کا معمول بھی نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایسے وقت آپ ﷺ ہمارے گھر آئے جس وقت کہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ (بخاری: باب هجرة النبی ﷺ و أصحابه) آپ ﷺ نے اس وقت کا انتخاب اسی لیے کیا کہ کوئی آپ ﷺ کو دیکھ نہ لے اور لوگوں کو آپ ﷺ کے ارادے کی بھنک بھی نہ لگنے پائے۔

2۔ گھر سے جب نکلے تو آپ ﷺ نے چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ لیا تھا۔ (بخاری: باب هجرة النبی ﷺ و أصحابه) تاکہ کوئی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکے۔

3۔ جب آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ غیر متعلق افراد کو یہاں سے دور کر دو، تاکہ کسی کو اُس راز کا پتہ نہ چل جائے جو میں تم سے ذکر کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اطمینان دلایا کہ گھر میں کوئی غیر متعلق فرد نہیں اور جو بھی موجود ہیں، وہ سب اپنے ہیں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ جب پوری طرح اطمینان ہو گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آج رات مجھے ہجرت کی اجازت دی ہے، اور تم میرے رفیقِ سفر ہو گے۔

4۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ نے نہ صرف اس حکمِ الٰہی کی خبر دی بلکہ ان کے ساتھ مل کر سفر کا کامیاب منصوبہ بنایا۔

اس سفر کے لیے خود ابوبکرؓ نے بھی پہلے ہی سے کچھ تیاری کر رکھی تھی۔ آپؓ نے دو اونٹنیوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ ایک اپنے لیے اور ایک رسول اکرم ﷺ کے لیے۔ اور چار مہینے سے ان کی دیکھ ریکھ کر رہے تھے۔ (بخاری: باب هجرة النبی ﷺ و أصحابه) اور ساتھ ہی پانچ ہزار درہم بھی اس سفر کے لیے آپؓ نے اٹھا رکھا تھا۔

5۔ سفر کا منصوبہ طے کرنے کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر آئے اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ میری حضرمی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جانا۔ دشمن تمھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا ئیں گے۔

آپ ﷺ نے یہ ترکیب اس لیے کی کہ مکہ والے آپ ﷺ کے بستر پر کسی کو موجود پا کر یہ سمجھیں کہ

آپ ﷺ آرام فرمارہے ہیں۔اس طرح آپ ﷺ کو مکہ سے دور نکل جانے کا موقع مل جائے۔

6۔اللہ کے رسول ﷺ نے سفرِ ہجرت کے لیے رات کے اندھیرے کا انتخاب کیا تا کہ کوئی آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکے۔

7۔آپ ﷺ رات کے ابتدائی حصے میں اپنے گھر سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔جب رات کا ایک طویل حصہ گزر گیا، چہل پہل تھم گئی، راستے سنسان ہو گئے اور لوگ نیند کی آغوش میں چلے گئے تو آپ ﷺ مکہ سے روانہ ہوے۔

8۔حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے نکلنے میں بھی آپ ﷺ نے پوری احتیاط سے کام لیا۔صدر دروازے کی بجائے گھر کے پچھلے چھوٹے دروازے سے نکلنے کو ترجیح دی، کیوں کہ یہ عین ممکن تھا کہ دشمن اللہ کے رسول ﷺ کی طرح ابوبکرؓ کے گھر پر بھی نظر رکھے ہوں، کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ مکہ سے نکلیں گے تو ابوبکرؓ بھی ضرور ساتھ ہوں گے۔

9۔جب آپ ﷺ مکہ سے روانہ ہوے تو مدینہ کی طرف جانے والے عام راستے کو چھوڑ کر یمن کی طرف جانے والے مکہ کے جنوبی راستے کو اختیار کیا۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ جب لوگ آپ ﷺ کو گھر میں نہیں پائیں گے تو ضرور آپ ﷺ کی تلاش میں مدینہ کے راستے کا رخ کریں گے، کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کررہے ہیں اور رسول اکرم ﷺ بھی لامحاملہ مدینہ ہی کا رخ کریں گے۔

10۔مکہ سے نکل کر آپ ﷺ نے غارِ ثور کا رخ کیا۔یہ غار مکہ کے جنوب میں ایک غیر معروف راستے پر پہاڑ کی اونچائی میں واقع تھا اور اس کی طرف جانے والا راستہ بھی بڑا پُر خطر تھا۔وہاں لوگوں کی آمد ورفت بھی نہیں ہوتی تھی۔اس غار میں آپ ﷺ نے تین دن قیام فرمایا، تا کہ اس اثناء میں مشرکین تلاش کر کے تھک جائیں اور وہاں سے نکل جائیں۔

11۔غارِ ثور میں قیام کے دوران حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ کے ذمے یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ دن بھر مکہ والوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں اور رات میں آکر خبر دیں۔وہ رات کے ابتدائی حصے میں آپ ﷺ کے پاس آتے اور فجر سے پہلے مکہ پہنچ جاتے۔سارا دن مکہ والوں کے ساتھ گزارتے۔اس طرح مکہ والوں کو بھی ان پر کسی قسم کا شک نہیں ہوا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مخبری کررہے ہیں۔

12۔حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ کھانے پینے کی اشیاء لے کر رات کے وقت غار پہنچیں اور دونوں کے لیے کھانے کا انتظام کریں۔ یہ کام حضرت اسماءؓ کے ذمہ اس لیے کیا گیا تھا کہ کوئی ان کے بارے میں شک نہ کرے، کیوں کہ ایک عورت سے یہ بعید تھا کہ وہ رات کے وقت صحرا میں آٹھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرے، وہ بھی ان دشوار گزار پہاڑیوں میں جہاں کا راستہ پُرخطر اور خوف ناک تھا۔ اور وہ یہ فریضہ تین دن تک انجام دیتی رہیں۔

13۔حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ سے کہہ دیا گیا تھا کہ صبح سویرے وہ بکریاں لے کر مکہ سے نکلیں تا کہ عبداللہ بن ابی بکرؓ اور اسماء بنت ابی بکرؓ کے قدم کے نشانات بکریوں کے نشاناتِ قدم کی وجہ سے مٹ جائیں۔ اس طرح سراغ رسانوں کی آپ ﷺ تک رسائی نہ ہو سکے۔

14۔لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لیے مدینہ کے عام راستے سے ہٹ کر بحرِ احمر کے ساحلی راستے کا انتخاب کیا گیا۔ یہ ایک خوف ناک راستہ تھا جس سے اکثر لوگ ناواقف تھے۔

15۔اس غیر معروف راستے میں بھٹکنے کا قوی امکان تھا، اس لیے ایک ماہر راہ گیر کی ضرورت تھی، جو امانت دار بھی ہو۔ اس کے لیے عبداللہ بن اُرقُد کی خدمات حاصل کی گئیں۔

یہ آپ ﷺ کی منصوبہ بندی تھی۔ ذرا غور کریں کہ کس طرح ایک مختصر مدت میں آپ ﷺ نے یہ کامیاب منصوبہ بندی فرمائی۔ مکہ والوں کی نظریں آپ ﷺ پر تھیں اور دشمن آپ ﷺ کی گھات میں تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے ایسی منصوبہ بندی کی کہ ان کی سازشوں پر پانی پھر گیا۔

آج امت اجتماعی اور انفرادی دونوں میدانوں میں مشکلات سے دوچار ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ امت کے مسائل حل کرنے کے لیے ہمارے پاس نہ کوئی خاکہ ہے اور نہ انفرادی زندگی ہی میں ہم منصوبہ بندی کے عادی ہیں۔ دینی اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمارے بڑے بڑے اجتماعات اور جلسے جلوس بھی ٹھوس منصوبے کے بغیر ہوتے ہیں۔ الحمدللہ اس وقت امت کے پاس ہر طرح کے مادی وسائل موجود ہیں، لیکن کوئی موثر منصوبہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ نعمتیں بھی ہمارے لیے بہت کم مفید ثابت ہو رہی ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارا دشمن ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

امت کی انفرادی و اجتماعی ترقی کے لیے ہر کام میں منصوبہ بندی ناگزیر ہے۔ یہ وہ سنت ہے، جسے بھلا دیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نومسلموں کے حقوق

اسلام دینِ فطرت ہے۔اس کی تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔اس لیے یہ دین ہر دور میں لوگوں کی کشش کا باعث بنا ہوا رہا۔موجودہ دور میں بھی متلاشیانِ حق کی ایک بڑی تعداد دامنِ اسلام ہی میں عافیت محسوس کرتی ہے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہی ہے۔

ایک شخص جب اپنے اہل وعیال،عزیز واقارب،گھر بار،مال وجائیداد،ملک ووطن کو خیر باد کہہ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اسے مختلف قسم کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے،قدم قدم پر رکاوٹیں پیش آتی ہیں،مصائب ومشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔چاروں طرف سے مسائل آگھیر لیتے ہیں،رشتہ داروں کی محبت نفرت میں بدل جاتی ہے،اپنے پرائے ہو جاتے ہیں،دوست دشمن بن جاتے ہیں،دشمن اور بھی جری ہو جاتے ہیں اور مخالفین ایذا رسانیوں کے لیے نڈر ہو جاتے ہیں۔اس کی زندگی کے پرانے ابواب یک لخت بند ہو جاتے ہیں اور نئے ماحول میں اسے نئے سرے سے اپنی زندگی کا سفر شروع کرنا پڑتا ہے۔ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اسے جہاں ایمانی ہتھیار کی ضرورت ہوتی ہے وہیں مسلمان بھائیوں کی مدد اور تعاون کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ایسے میں ان مہاجر بھائیوں کا تعاون کرنا،ان کا ہاتھ بٹانا اور ان کے مسائل حل کرنے میں مدد کرنا ہر مسلمان کا اسلامی حق اور دینی فریضہ ہے۔چنانچہ ارشادِ باری ہے: وَالْـمُـؤْمِـنُـونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ (التوبہ:۷۱)''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں''۔

خصوصاً اُن نومسلم بھائیوں کی مدد کرنا نہایت ضروری ہے جو مشکلات میں گھرے ہوئے ہوں۔ سورۂ انفال میں ارشاد ہے: وَالَّـذِيْـنَ آمَـنُواْ وَلَمْ يُهَاجِرُواْ مَا لَكُم مِّن وَلاَيَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّى يُهَـاجِـرُواْ وَإِنِ اسْتَـنصَرُوكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ . (الأنفال:۷۲)''اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تمھارے لیے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے''۔

جب بھی نومسلموں کے تعاون کی بات آتی ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دوچار سو روپے ان کے ہاتھ میں تھمادیں تو تعاون کا حق ادا ہو جائے گا۔سیرت رسول ﷺ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کا ایسا تعاون کیا کہ ان کے سارے مسائل حل ہو گئے اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے ۔جنگِ حنین میں بہت سامالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔آپ ﷺ نے اس کا اکثر حصہ نومسلموں میں تقسیم کیا۔چنانچہ آپ ﷺ نے اقرع بن حابسؓ اور عیینہ بن حصنؓ کو سو سو اونٹ اور ان کے علاوہ بھی کچھ نو واردانِ اسلام کو اتنا عطا کیا کہ وہ خوش حال ہو گئے ۔(بخاری)

کچھ لوگوں کو اس تقسیم پر اعتراض ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:فإني أعطي رجالا حديثي عهد بكفر أتألفهم ۔(مسلم: کتاب الزکاۃ، باب إعطاء المؤلفۃ قلوبھم علی الإسلام.)''میں ان لوگوں کو جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوتے ہیں، اس لیے مال عطا کرتا ہوں کہ ان کی دل جوئی ہو سکے''۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے قریش کے کئی سرداروں کو نہال فرمایا تھا۔اس کا سبب بیان کرتے ہوے فرمایا: إِنَّ قُرَيْشًا حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَمُصِيبَةٍ وَإِنِّي أَرَدْتُ أَنْ أُجْبِرَهُمْ وَأَتَأَلَّفَهُمْ ۔(مسلم: کتاب الزکاۃ، باب إعطاء المؤلفۃ قلوبھم علی الإسلام ...)''قریش کفر و شرک اور معصیت کی مصیبت سے نکل کر ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوے ہیں۔میں نے مناسب سمجھا کہ ان کی دل جوئی کروں اور ان کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کروں''۔

قبولِ اسلام کے بعد انسان بسا اوقات ایسے مسائل سے دوچار ہوتا ہے کہ اگر اس کا ساتھ نہ دیا جائے تو وہ ان مسائل سے پریشان ہو کر دولتِ اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔اس لیے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اس کو دین پر ثابت قدم رہنے میں ہر ممکن تعاون کریں۔اللہ کے رسول ﷺ نومسلموں کو دین پر ثابت قدم رہنے کی صرف تعلیم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ ان کے مسائل بھی عملاً حل فرماتے تھے، تا کہ ان کے دین کو خطرے سے بچایا جا سکے۔

حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلۂ مضر کے کچھ غریب مسلمان اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے، جسم پر مکمل کپڑے بھی نہیں تھے، چہرے سے فقر و فاقہ کے آثار نمایاں تھے، ان کی اس خستہ حالی کو دیکھ کر آپ ﷺ بے چین ہو گئے، آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے تقریر کی اور ان غریب مسلمانوں کی امداد پر ابھارا۔صحابہ کرامؓ نے اس موقع پر اس قدر خرچ کیا کہ دو ڈھیر جمع

ہوگئے، ایک اناج اور غلے کا اور دوسرا کپڑوں کا۔ اس مال کوآپ ؐ نے ان کے درمیان تقسیم کردیا۔(مسلم:باب الحث علی الصدقۃ ولوبشق تمرۃ...)

حضرت عمروبن تغلبؓ فرماتے ہیں:رسول اکرم ﷺ کے پاس مال آیا۔آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ لوگوں کو نہیں دیا۔آپ ؐ کو معلوم ہوا کہ جن کو نہیں دیا گیا،انھوں نے ناراضی کا اظہار کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا:فواللہ!اِنِّیُ لَأُعطِی الرَّجُلَ وَالَّذِیُ اَدَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الَّذِیُ اُعُطِیُ ،وَلٰکِنُ اُعُطِیُ اَقُوَامًا لِمَا اَرَی فِیُ قُلُوُبِھِمُ مِنَ الُجَزَعِ وَالُھَلَعِ ،وَاَکِلُ اَقُوَامًا اِلَی مَا جَعَلَ اللّٰہُ فِیُ قُلُوُبِھِمُ مِنَ الُغِنٰی وَالُخَیُرِ مِنُھُمُ عَمُرُو بُنُ تَغُلِبَ ۔قَالَ عَمُرُو بُنُ تَغُلِبَ : فَوَاللّٰہِ !مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیُ بِکَلِمَۃِ رَسُوُلِ اللّٰہِ ﷺ حُمُرَالنِّعَمِ ۔(بخاری:کتاب الجمعۃ:باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء اَمابعد)

''اللہ کی قسم!میں کسی کو مالِ غنیمت میں سے دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا،حالاں کہ جن کو میں نہیں دیتا وہ میرے نزدیک ان سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں جن کو میں نوازتا ہوں مگر میں جب دیکھتا ہوں کہ کسی کا ایمان کم زور ہے،اس کو تالیفِ قلب کی ضرورت ہے تو میں اس کو ترجیح دیتا ہوں،اور جن کا ایمان مضبوط ہے،انھیں اللہ کے حوالے کردیتا ہوں۔انہی لوگوں میں عمروبن تغلب بھی ہیں۔عمروبن تغلبؓ فرماتے ہیں:اللہ کی قسم!اللہ کے رسول کا یہ کلمہ میرے لیے دنیا کے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے''۔

ابتداے اسلام میں قبولِ اسلام کی وجہ سے بعض مسلمانوں کوکفارومشرکین بہت زیادہ تکلیفیں دیا کرتے تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے انھیں اپنے مال سے خرید کر مشرکین کے چنگل سے آزاد کرایا۔

موجودہ دور میں نومسلم بے شمار مسائل میں گھرے ہوے ہیں،شادی بیاہ کا مسئلہ،رہائش کا مسئلہ، ذریعۂ معاش کا مسئلہ اور تعلیم وتربیت کا مسئلہ، وغیرہ۔ان مسائل کوحل کرنے کے لیے باقاعدہ ایسے ادارے اور سنٹرس ہونے چاہیے جہاں ان کے مسائل پر خصوصی توجہ دی جاسکے۔

سچی بات یہ ہے کہ ابھی تک مسلمانوں نے ان مہاجروں کو شرحِ صدر کے ساتھ قبول نہیں کیا۔ایک شخص اسلام قبول کرنے کے باوجود مسلم معاشرے میں اپنے آپ کو اجنبی ہی محسوس کرتا ہے اور اپنے مسائل کی وجہ سے ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔آج مسلمانوں کو ان نومسلموں کے معاملے میں وہی کردار ادا کرنا ہے جو مدینہ کے انصار نے مہاجرین کے معاملے میں ادا کیا تھا،تبھی ان کے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ورنہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ دور میں جہاں ایک طرف قبولِ اسلام کے واقعات

پیش آ رہے ہیں وہیں دوسری طرف بڑی تعداد میں ارتداد کے واقعات بھی پیش آ رہے ہیں۔اپنے مسلم بھائیوں کو ارتداد سے بچانے کی فکر کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔حضرت سعدؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: يَا سَعْدُ !اِنِّیْ لَأُعْطِی الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ اِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ أَنْ يُكِبَّهُ فِی النَّارِ۔(بخاری :باب اِذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ..)''اے سعدؓ! میں مالِ غنیمت میں سے کچھ لوگوں کو عطا کرتا ہوں، حالاں کہ ان کے مقابلے میں کچھ دوسرے لوگ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتے ہیں، یہ محض اس لیے کہ کہیں وہ جہنم کا ایندھن نہ بن جائیں''۔

ان مہاجر بھائیوں کا مسلمانوں پر ایک اہم حق ان کی تعلیم وتربیت بھی ہے۔دورِحاضر میں دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں امت میں کسی حد تک بیداری پائی جاتی ہے۔الحمدللہ اس کام پر توجہ دی جارہی ہے اور ان کوششوں کے نتیجے میں لوگ مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں۔قبولِ اسلام کے بعد ان نومسلموں کی تربیت کا آج بھی کوئی خاص نظم نہیں ہے، جس کی وجہ سے کئی نومسلم ایسے ہیں جن کی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی ۔وہ اپنے غیر مسلم رشتے داروں کے غیر شرعی بلکہ شرکیہ تقریبات میں شریک ہوتے ہیں، اور اپنے پرانے مذہب کے مطابق رسومات بھی انجام دیتے ہیں۔ان میں جہاں ان کی کوتاہی کا دخل ہے وہیں امت مسلمہ بھی اس کوتاہی کی ذمہ دار ہے۔کتنے ہی نومسلم ایسے ہیں جو دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر مسلمان ان کے لیے نہ وقت نکال پاتے ہیں اور نہ ان کی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام کرپاتے ہیں۔اس کا اندازہ ایک نومسلمہ کے خط سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے اپنی ایک سہیلی کے نام لکھا تھا: ''میں نہیں سمجھتی کہ آپ مری کوئی مدد کرسکیں گی ۔میری زندگی فی الوقت ایک عذاب بن چکی ہے۔مجھے اسلام قبول کیے ہوے پانچ سال ہو چکے ہیں اور ہر رمضان کی آمد پر میرے ایمان میں اضافہ ہونے کی بجاے میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہوں کہ کیا میں اپنے اسلام پر قائم رہوں یا پرانا مذہب اپنالوں۔اسلام قبول کرنے کے بعد میں جس تنہائی کا شکار ہوی ہوں ایسی تنہائی میں نے اسلام میں داخل ہونے سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔۔۔۔آج سے پانچ سال قبل جب میں نے کلمۂ شہادت پڑھا تھا تو بے تحاشا بہنوں نے مجھے گلے لگایا اور مجھے اپنا فون نمبر بھی دیا لیکن یہ سب شاید دکھلاوا تھا۔اس لیے کہ چند دنوں کے بعد وہ نہ تو میرے فون کرنے پر فون اٹھاتی تھیں اور نہ میرے ایس ایم ایس اور ای میل کا جواب دیتی تھیں۔انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے نماز پڑھنا بھی

سکھائیں گی، مگر ایک عرصہ گزرنے کے بعد بھی مجھے آج تک ڈھنگ سے نماز پڑھنی نہیں آتی۔ میں نے کئی ایک کتابوں سے بھی مدد لی اور یوٹیوب میں بھی بھٹکتی رہی، مگر ان میں سے کسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے قریبی مسجد کے امام کو بھی فون کیا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ مجھے اسلام میں داخل ہوئے پانچ سال گزر چکے ہیں اور مجھے ابھی تک نماز پڑھنی نہیں آتی تو میری مدد کرنے کی بجائے انہوں نے میرا مذاق اڑایا۔ میری شدید خواہش ہے کہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرسکوں، دیگر مسلمانوں کی طرح تمام فرائض ادا کروں، کاش کوئی میری مدد کرے''۔ (جریدہ ''الواقعۃ'' کراچی، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۲ء)

مذکورہ اقتباس پڑھنے کے بعد آپ کو یقیناً یہ احساس ہوا ہوگا کہ یہ ایک انتہائی نامناسب رویہ ہے جس کا اس نومسلم خاتون کو سامنا کرنا پڑا۔ مگر کیا ایسے ہی حالات سے ہر نومسلم کو گزرنا پڑتا ہے؟ یہ ایک بڑا اہم سوال ہے، جس کا ہم مسلمانوں کو سنجیدگی سے نوٹس لینا چاہیے۔

سب سے زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے عقیدے کی اصلاح کی جائے۔ وہ ایک باطل مذہب کو ترک کر کے جب اسلام قبول کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں سب سے پہلے اسلام کے اصول وعقائد کو پیوست کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ ان کا ایمان متزلزل نہ ہوسکے۔ اللہ کے رسولؐ ان نوواردانِ اسلام کے سلسلے میں سب سے پہلے اسی چیز کی طرف توجہ دیا کرتے تھے۔ مکہ میں تیرہ سال تک آپؐ نے عقیدے کی اصلاح پر زور دیا، اس کے بعد دین کے احکام ومسائل ان کے سامنے بیان کیے، عقیدے کی مضبوطی کی وجہ سے دیگر اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا ان کے لیے آسان ہوگیا۔ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو شراب سے بھرے مٹکے پانی کی طرح بہادیے گئے۔ سود کی حرمت کا اعلان ہوا تو سب نے اس سے توبہ کی، اور سارا سود معاف کردیا۔

موجودہ دور میں نماز، روزہ اور دین کے فروعی مسائل پر اس قدر اہمیت دی جاتی ہے کہ ان مہاجروں کی نظر میں بھی یہی مسائل اہم ہوجاتے ہیں اور عقیدے کی بنیادی باتوں سے وہ ناواقف ہی رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ دین کے جزئیات پر تو بڑی سختی کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں، مگر عقیدے سے ناواقفیت کی بناپر ان میں اعتقادی بگاڑ باقی ہی رہتا ہے، جو آگے چل کر ارتداد کا سبب بھی بن جاتا ہے، جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آرہا ہے۔

اسلام ہر مسلمان کے ساتھ نصح وخیرخواہی سے پیش آنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ہماری ہمدردی اور

خیرخواہی کے سب سے زیادہ مستحق ہمارے مہاجر بھائی ہیں۔وہ ایک آزاد ماحول سے آتے ہیں جہاں تہذیب اور اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ایسے میں ان کی تعلیم اور تربیت میں سختی کی بجائے نرمی، ہمدردی اور خیرخواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی وصف کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کو عرب کے بدوؤں کی تربیت میں کامیابی ملی۔چنانچہ ارشاد ہے: فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الۡقَلۡبِ لَانفَضُّواۡ مِنۡ حَوۡلِكَ (آل عمران:۱۵۹)

آپ ﷺ نے نوواردانِ اسلام کی تربیت میں نرمی اور ہمدردی کا خاص خیال رکھا۔حضرت معاویہ بن حکم السلمیؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اسی دوران جماعت میں سے ایک شخص کو چھینک آئی تو میں نے ''یَرۡحَمُكَ اللّٰهُ'' کہہ دیا،لوگ مجھے گھورنے لگے۔میں نے کہا: بُرا ہو تمہارا،تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟ یہ سن کر وہ مجھے خاموش کرنے کے لیے اپنے رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے لگے، میں خاموش ہو گیا۔جب رسول اکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو پوری ہمدردی کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصۡلُحُ فِيۡهَا شَيۡءٌ مِّنۡ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هُوَ التَّسۡبِيۡحُ وَالتَّكۡبِيۡرُ وَقِرَاءَةُ الۡقُرۡآنِ۔''نماز میں بات چیت کرنا درست نہیں،نماز میں تو تسبیح وتہلیل اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہیے''۔(وہ فرماتے ہیں)فَبِأَبِيۡ هُوَ وَأُمِّيۡ !مَا رَأَيۡتُ مُعَلِّمًا قَبۡلَهُ وَلَا بَعۡدَهُ أَحۡسَنَ تَعۡلِيۡمًا مِّنۡهُ فَوَاللّٰهِ !مَا كَهَرَنِيۡ وَلَاضَرَبَنِيۡ وَلَاشَتَمَنِيۡ. ''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔میں نے آپؐ سے پہلے اور نہ ہی آپؐ کے بعد آپؐ سے بہتر کوئی مربی نہیں دیکھا۔اللہ کی قسم!نہ آپؐ نے مجھے جھڑکا،نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا (مسلم:باب تحریم الکلام ونسخ ما کان من اباحتہ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے۔آپ کے جسم پر ایک موٹی نجرانی چادر تھی،ایک بدو پیچھے سے آیا اور آپؐ کی چادر کا ایک حصہ پکڑ کر اس زور سے گھسیٹا کہ گردن پر نشانات پڑ گئے۔پھر کہنے لگا:مُرۡ لِيۡ مِنۡ مَالِ اللّٰهِ الَّذِيۡ عِنۡدَكَ۔''اللہ کے مال میں سے مجھے بھی دو۔اس کی اس گستاخانہ حرکت کے باوجود آپؐ نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ مسکرا کر خاموش ہو گئے اور اس کو مالِ غنیمت میں سے دینے کا حکم دیا''۔(بخاری:باب ما کان للنبیؐ...)

نوواردانِ اسلام کے مزاج اور طبیعت کو جاننا اور اس کے مطابق ان کی دینی راہ نمائی کرنا بھی

بہت ضروری ہے۔ بسا اوقات بعض مسلمان اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے بعض ایسے مسائل پر زیادہ توجہ دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اسلام ہی سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں سے کہا جاتا ہے کہ جب تک آپ ختنہ نہیں کروائیں گے اور نام تبدیل نہیں کریں گے اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے۔ اس طرح کی باتوں میں انہیں ایسے الجھایا جاتا ہے کہ یہ آسان دین ان کے لیے مشکل معلوم ہونے لگتا ہے اور وہ اس کو خیر باد کہنے میں ہی اپنی سلامتی سمجھنے لگتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نو واردانِ اسلام کے لیے حتی الامکان آسانیاں پیدا کیا کرتے تھے۔ ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا: دین کے احکام بہت زیادہ ہیں، میں ان سب پر عمل نہیں کر سکتا۔ مجھے دین کی کوئی ایسی جامع اور مختصر بات بتائیے جو میری نجات کا ذریعہ بھی بن سکے اور مجھے آپ کے بعد کسی سے پوچھنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ۔ ''اللہ کے معبود ہونے کا اقرار کرو اور اس پر ثابت قدم رہو''۔ (مسلم: باب جامع أوصاف العلم)

اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے۔ انھوں نے کہا کہ ہم صرف دو وقت کی نماز پڑھیں گے۔ آپ ﷺ نے ان کی اس شرط کو منظور کر لیا۔

بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کے حل کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ ان کی اصلاح بتدریج ہی ہو سکتی ہے۔ ایسے مسائل میں سختی کرنے سے لوگ اسلام ہی سے متنفر ہو سکتے ہیں، اس لیے نرمی کے ساتھ بتدریج ان کی اصلاح کرنا چاہیے۔ تدریج کا یہی وہ اصول ہے جس کے ذریعے اسلام لوگوں کے دلوں میں راسخ کیا گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُوْرَةٌ مِّنَ الْمُفَصَّلِ فِيْهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتّٰى اِذَا ثَابَ النَّاسُ اِلَى الْاِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلُ شَيْءٍ لَاتَشْرَبُوا الْخَمْرَ لَقَالُوْا لَانَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوْا لَقَالُوْا لَانَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا ۔ (بخاری: باب تألیف القرآن) ''سب سے پہلے قرآن مجید کی وہ سورتیں نازل ہوئیں جنھیں مفصل کہا جاتا ہے، جس میں جنت اور جہنم کا تذکرہ ہے۔ جب لوگوں کے دلوں میں اسلام راسخ ہو گیا تو حلال اور حرام جیسے احکام نازل ہوئے۔ اگر پہلے ہی مرحلے میں کہا جاتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم شراب نہیں چھوڑیں گے اور اگر ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ زنا سے باز آ جاؤ تو وہ کہتے کہ ہم ہرگز زنا سے باز نہیں آئیں گے''۔

نومسلموں کا مسئلہ وقت کے حساس مسائل میں سے ہے، امت مسلمہ کا یہ دینی فریضہ ہے کہ اس پر خصوصی توجہ دے اور اس کو حل کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین

رشوت اور اس کے نقصانات

رشوت اور کرپشن موجودہ دور کا سنگین مسئلہ ہے۔ دنیا کا کوئی ملک، کوئی علاقہ اور کوئی محکمہ اس وبا سے محفوظ نہیں ہے۔ پارلیمانی ادارے ہوں یا سرکاری دفاتر، عدلیہ ہو یا محکمۂ پولس، شعبۂ تعلیم ہو یا شعبۂ صحت، سیاسی پارٹیاں ہوں یا قومی تنظیمیں غرض ہر جگہ رشوت اور بدعنوانی کا دور دورہ ہے۔ معاشرے میں رشوت کا چلن اس قدر عام ہے، گویا اس نے ایک حق کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اب یہ برائی، برائی کم سمجھی جاتی ہے، بلکہ اونچی سوسائٹی کی ایک علامت گردانی جاتی ہے اور اس جرم میں گرفتار مجرم بھی آسانی سے باعزت بری کر دیے جاتے ہیں۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ باعزت براءت بھی رشوت ہی کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ کرپشن کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنے کے لیے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 31/اکتوبر 2003ء کو اعلان کیا تھا کہ ہر سال 9/دسمبر کو ''اینٹی کرپشن ڈے'' منایا جائے گا۔ سب سے پہلا اینٹی کرپشن ڈے 9/دسمبر 2004ء کو میکسیکو میں منایا گیا جو کہ اب ہر سال کرپشن کے خلاف جنگ کے عزم کی از سرِ نو تجدید کے ساتھ دنیا بھر میں منایا جاتا ہے۔

رشوت اور کرپشن کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانی تاریخ قدیم ہے۔ قرآن مجید میں یہود کے جن جرائم کا ذکر ملتا ہے ان میں ایک رشوت بھی ہے۔ ارشاد ہے: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (المائدۃ:۴۲) ''یہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں اور یہ حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں''۔

معاشرے کے اس ناسور سے دور رہنے کی تعلیم اہل ایمان کو دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔(البقرۃ:۱۸۸) ''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا لیا کرو، حالاں کہ تم جانتے ہو''۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ''یہ آیت ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوی جس کے پاس کسی کا حق ہو، لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو۔ اس کم زوری سے فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز

سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے اور اس طرح دوسرے کا حق چھین لے۔ یہ ظلم اور حرام ہے۔ عدالت کا فیصلہ ظلم اور حرام کو جائز اور حلال نہیں کرسکتا۔ یہ ظالم عنداللہ مجرم ہوگا''۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قاضی کا کسی سے رشوت لے کر اس کے حق میں فیصلہ کرنا کفر کے برابر ہے اور عام لوگوں کا ایک دوسرے سے رشوت لینا ''سحت''یعنی حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری امت رشوت کے حرام ہونے پر متفق ہے۔

رشوت اور کرپشن کی مختلف صورتیں

رشوت کی کوئی خاص شکل نہیں ہے۔ زمانے اور حالات کے اعتبار سے اس کی صورتیں اور شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ اس کی چند صورتیں یہ ہیں:

ا۔ اپنے حق میں فیصلہ کروانے کے لیے متعلق شخص کو مال ودولت یا روپے پیسے دینا رشوت کی ایک قدیم شکل ہے۔ یہودی اپنا ہر کام رشوت کی مدد سے پورا کیا کرتے تھے۔ خیبر جب فتح ہوا تو یہ طے ہوا کہ خیبر کی زمین یہودیوں کے قبضے میں رہے گی، وہ کاشت کاری کریں گے، جو بھی اناج اور غلہ آئے گا، اس میں مسلمان اور یہودی برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ فصل کی کٹائی کے وقت اللہ کے رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو اندازہ لگانے کے لیے روانہ کرتے، وہ انصاف کے ساتھ دو برابر کے حصوں میں تقسیم کرتے اور یہودیوں سے کہتے کہ ان میں سے جو پسند ہو لے لینا۔ ایک مرتبہ جب وہ پہنچے تو یہودیوں نے اپنی عورتوں کے زیورات جمع کر کے بطورِ رشوت حاضرِ خدمت کیا، اور کہا: هذا لك، خفف عنا و تجاوز فى القسم۔ ''یہ سارا مال آپ کے لیے ہے۔ اس کے بدلے میں آپ ہمارے حق میں نرم فیصلہ کریں۔ ہمارے حصہ کو بڑھا دیں اور تقسیم میں چشم پوشی سے کام لیں''۔

حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا: یا معشر یهود! والله، اِنكم لمن أبغض خلق الله اِليّ، وماذلك بحاملى على أن أحيف عليكم. فأما الذى عرضتم من الرشوة فاِنها سحت وأنا لا نأكلها. ''اے یہودیو! تم میرے نزدیک اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ مبغوض ہو، مگر یہ چیز مجھے تمھارے معاملے میں ناانصافی پر آمادہ نہیں کرسکتی۔ رہی یہ تمھاری رشوت، تو سن لو! یہ حرام ہے اور ہم حرام مال نہیں کھاتے''۔ اس پر (سنجیدہ) یہودیوں نے کہا: بهذا قامت السموات والأرض۔ ''اسی عدل وانصاف کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہیں''۔ (غاية المرام للألبانى)

۲۔اپنے حق میں فیصلہ کروانے کے لیے یا اپنا کوئی کام نکالنے کے لیے متعلق شخص کو تحفے تحائف دینا بھی رشوت کی ایک صورت ہے۔حضرت سلیمانؑ نے جب ملکۂ سبا اور قوم سبا کو توحید کی دعوت دی تو ملکہ سبا نے اپنی قوم سے اس سلسلے میں مشورہ کیا اور کہا: وَاِنِّیْ مُرْسِلَۃٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۔(النمل:۳۵)''میں ان کے پاس بطور تحفہ رشوت پیش کرتی ہوں، اور دیکھتی ہوں کہ ان کے پاس سے کیا جواب آتا ہے''۔جب ملکۂ سبا کے قاصد تحفے تحائف لے کر پہنچے تو حضرت سلیمانؑ نے اس رشوت کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا:

اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ. (النمل:۳۷)''(تمھارا ہدیہ تم ہی کو مبارک رہے، اے سفیر!) واپس جا اپنے بھیجنے والے کی طرف۔ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا مقابلہ وہ نہ کرسکیں گے اور ہم انھیں ایسی ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے''............اس جواب کے بعد ملکۂ سبا کو یقین ہوگیا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، وہ اپنی قوم سمیت دربار سلیمانی میں پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہویں۔

کسی ذمہ دار کو ماتحتوں کی طرف سے جو بھی تحفہ دیا جائے حقیقت میں وہ رشوت ہے۔اس سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔حضرت ابوحمید عبدالرحمٰن بن سعد ساعدیؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو مالِ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عامل بنا کر بھیجا۔جب وہ لوٹے تو مالِ زکوٰۃ پیش کرتے ہوئے فرمایا: هذا لکم وهذا أهدي إليّ ۔''یہ زکوۃ کا مال ہے اور یہ چیز مجھے تحفے کے طور پر دی گئی ہے''۔آپ ﷺ غضب ناک ہوگئے۔پھر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا: حمد و ثنا کے بعد فرمایا:''میں تم میں سے کسی کو زکوۃ کی وصولی کے لیے ذمہ دار بنا کر بھیجتا ہوں، وہ واپس آ کر کہتا ہے کہ یہ زکوۃ کا مال ہے اور یہ مال مجھے تحفے میں دیا گیا ہے۔اگر وہ اپنی بات میں سچا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور دیکھے کہ کون اسے تحفہ لا کر دیتا ہے۔اللہ کی قسم! تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ ناحق کوئی مال ہرگز نہ لے۔ورنہ وہ قیامت کے دن رشوت کا یہ سامان اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔اگر وہ اونٹ، گائے یا بکری ہوگا تو اس کی آواز ہوگی (جس سے ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ وہ سامان ہے جو ناحق وصول کیا گیا تھا) پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے، یہاں تک کہ بازو کی سفیدی نظر آنے لگی،

فرمایا: ''سن لو! میں نے یہ بات تم تک پہنچادی''۔(صحیح مسلم:باب تحریم هدایاالعمال)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: کانت الهدیة فی زمن رسول الله ﷺهدیة والیوم رشوة ۔(بخاری:باب من لم یقبل الهدیة لعلة)''اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں تحفے کی حیثیت تحفے ہی کی تھی، مگر ہمارے زمانے میں اس کی حیثیت رشوت کی ہوگئی ہے''۔

فرات بن مسلمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک مرتبہ سیب کھانے کی خواہش ہوی۔گھر میں نہ تو سیب موجود تھے اور نہ اتنی رقم کہ سیب خریدا جاسکے۔بازار سے گزر ہوا۔ایک میوہ فروش کو سیب فروخت کرتے دیکھا۔سیب ہاتھ میں اٹھالیا۔خوش بو سونگھ کر لوٹا دیا۔فرات بن مسلم حقیقتِ حال سمجھ گئے، کہنے لگے: آپؒ یہ لے لیجیے، یہ میری جانب سے آپ کے لیے تحفہ ہے۔عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا: مجھے اس کی حاجت نہیں۔فرات بن مسلمؒ نے کہا: کیا اللہ کے رسول ﷺ اور اصحابِ رسول (ابوبکرؓ وعمرؓ) تحفے قبول نہیں کرتے تھے؟ آپؒ نے فرمایا: اِنهالأولئك هدیة و للعمال بعدهم رشوة ۔''وہ ان کے لیے تحفہ اور ہدیہ ہوا کرتا تھا، مگر ان کے بعد عمّال اور حکم رانوں کے لیے تحفہ نہیں بلکہ رشوت ہے''۔(الطبقات لابن سعد: ۵/۳۷۷)

۳۔رشوت کی ایک شکل یہ ہے کہ اپنے معاملے کو باطل طریقے سے حل کرنے کے لیے کسی کے عہدہ ومنصب، اور مقام ومرتبہ کا سہارا لیا جائے اور ان پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی جائے۔عہدِ نبوی میں بنومخزوم کی ایک خاتون نے چوری کی اور جرم ثابت ہوگیا۔بنومخزوم قریش کا ایک معزز قبیلہ تھا۔اس خاتون کو سزا سے بچانے کے لیے قریش نے ضروری سمجھا کہ کسی کو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا جائے۔نظرِ انتخاب حضرت اسامہ بن زیدؓ پر پڑی، جو اللہ کے رسول ﷺ کے بڑے چہیتے تھے۔اس محبوبیت کو انھوں نے بطور رشوت استعمال کرنا چاہا۔حضرت اسامہؓ جب اس معاملے میں سفارش کرنے کے لیے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِنماأهلك الذین قبلکم أنهم کانوااِذا سرق فیهم الشریف ترکوه واِذا سرق فیهم الضعیف أقامو ا علیه الحد،وأیم الله !لوأن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها (بخاری:باب حدیث الغار)''بے شک تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوے اس کا سبب یہ تھا کہ جب ان میں سے کسی معزز گھرانے کا آدمی چوری کرتا تو اس کو درگزر کردیتے اور جب کوئی کم زور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔اللہ کی قسم! اگر

فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا''۔

رشوت کے نقصانات

ا۔رشوت کے بے شمار نقصانات ہیں،اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ معاشرے کے افراد سے ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اور مفاد پرستی کا جذبہ پروان چڑھنے لگتا ہے۔

اسلام کے نزدیک سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کے کام آئے۔اپنے علم،تجربات اور صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے ۔ رسول اکرم ﷺ نے اچھے مسلمان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:خير الناس أنفعهم للناس ۔(السلسلة الصحيحة)''سب سے بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے''۔

مفاد پرستی ایمانی اخوت کے بھی منافی ہے۔اسلام نے مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا ہے۔اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا معاملہ کرے۔ناحق کسی کا مال ہڑپ کرنا جائز نہیں۔ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه ۔(مسلم:باب تحريم ظلم المسلم وخذله) ''ہر مسلمان کا خون،مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے''۔

اگر کوئی ناحق کسی کی ایک بالشت زمین بھی قبضہ کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کی اس زمین کو اللہ تعالیٰ اس کے گلے کا طوق بنادے گا۔(مسلم:باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها)

مسجد نبوی میں نماز اور اعتکاف بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔اس میں دیگر مسجدوں میں پڑھی جانے والی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے۔(صحيح الجامع الصغير وزيادته:٣٨٣٨)

کسی مومن بھائی کی مدد کرنے کو آپ ؐ نے مسجد نبوی کی عبادتوں سے افضل قرار دیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا:أي الناس أحب إلى الله وأي الأعمال أحب إلى الله ؟اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص کون ہے،اور سب سے پسندیدہ اعمال کون سے ہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا:سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو لوگوں کے کام آئے،اور سب سے پسندیدہ اعمال یہ ہیں:کسی مسلم کو خوش کرنا،اس کی پریشانی دور کرنا،اس کا قرض ادا کرنا اور اس کی بھوک مٹانا۔پھر آپ ؐ نے فرمایا:لأن أمشي مع أخ في حاجة أحب اليّ من أن

أعتكف فی هذاالمسجد شهرا ۔''اپنے کسی بھائی کی ضرورت پورا کرنے کے لیےاس کے ساتھ چل کر جانا یہ مجھے زیادہ پسند ہےاس بات سے کہ میں اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک مہینہ تک اعتکاف کروں''۔(صحیح الجامع الصغیر و زیادتہ:١٧٦)

۲۔رشوت اور کرپشن کی وجہ سے پورا معاشرہ بدامنی اور بے چینی کا شکار ہوجاتا ہے۔کسی بھی ملک کے امن وسکون کا سب سے اہم سبب وہاں کا منصفانہ قانون ہوتا ہے۔جہاں قانون کی حکم رانی ہوگی وہاں بدعنوانی اور کرپشن جیسے ناجائز کاموں کے لیے راہ نہیں ہوتی اور جہاں قانونی اداروں پر رشوت کے بادل منڈلانے لگتے ہیں وہاں بہتر سے بہتر قانون بھی ناکارہ ہوکر رہ جاتا ہے۔چوری، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری، دھوکہ دہی، بدکاری اور جہیز رسانی جیسے بے شمار جرائم ایسے ہیں، جن سے آج ہر انسان پریشان ہے۔ان کے انسداد کے لیے سخت قوانین بھی موجود ہیں۔اس کے باوجود میں ان مسائل میں روز افزونی کا بنیادی سبب وہ رشوت ہے جو اچھے سے اچھے قانون کو بھی خاک میں ملا دیتی ہے۔رشوت مجرم کو جرم کا ارتکاب کرنے کے معاملے میں جری اور نڈر بنا دیتی ہے، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ رشوت کے ذریعے جرم کی سزا سے بچا جاسکتا ہے۔آج پورے عالم میں اور خصوصا ہمارے ملک میں سخت سے سخت قوانین کے باوجود جرائم میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔یہاں بڑے سے بڑا مجرم رشوت دے کر آسانی کے ساتھ جرم سے باعزت بری ہوجاتا ہے۔ہمارے ملک میں بہت کم سیاست دان ایسے ہیں جن کا دامن جرائم سے پاک ہے۔اس کے باوجود وہ قوم کے راہ بر اور راہ نما بنے ہوے ہیں۔جس ملک کے راہ نماؤں کا یہ حال ہو وہاں کی رعایا کیسے امن وسکون سے زندگی گزار سکتی ہے۔

۳۔رشوت کی وجہ سے وقتی فائدہ تو ہوسکتا ہے، مگر وہ خود اس کے نقصان کی زد میں آسکتا ہے۔ ایک سرکاری افسر کسی سرکاری ٹھیکہ دار سے رشوت لے کر اس کے ناقص تعمیری کام کو منظوری دے دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آج اس کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کے اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے، یا مختلف جگہوں پر اپنا کام بنانے کے لیے کل اسے خود رشوت دینا پڑے گا۔

رشوت کے ذریعے حاصل ہونے والے مال میں خیر و برکت ہرگز نہیں ہوسکتی، کیوں کہ اللہ کے رسولؐ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت بھیجی ہے۔غور کریں رسول اکرم ﷺ جو ساری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، انسانیت کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔مشرکین نے رسولؐ اور

اصحابِ رسولؐ کو ہر طرح ستایا اور ہر طرح سے ایذا پہنچائی۔ ان تکالیف سے تنگ آ کر صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ ان دشمنوں کے حق میں بددعا کیجیے، تو رسولِ رحمتؐ کا جواب تھا: إنی لم أبعث لعانا۔ (مسلم، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها) ''میں لعنت وملامت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں''۔ جس رسولؐ نے اپنے دشمنوں کے حق میں بددعا نہیں فرمائی، اس ذاتِ رحمت نے رشوت خوروں کے حق میں بددعا فرمائی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رشوت کس قدر سنگین جرم ہے۔ اور یہ قابلِ توجہ بات ہے کہ جس شخص کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے بددعا کی ہو وہ شخص چین سے کیسے رہ سکتا ہے۔

۴۔ رشوت کا سب سے بڑا نقصان تو اخروی ہے۔ فرمایا گیا: قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۔(الزمر:۱۵) ''آپ کہہ دیجیے! حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے۔ یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے''۔

آخرت میں اس کا نقصان یہ ہوگا کہ اس کی ساری نیکیاں ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں گی جن کا اس نے ناحق مال ہڑپ کیا تھا۔ اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو مظلوموں کے گناہ اس کے سر تھوپ دیے جائیں گے اور اس کو جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

جس طرح رشوت لینا جرم ہے اسی طرح رشوت دینا بھی جرم ہے۔ دونوں سزا کے مستحق ہیں۔ البتہ بعض حالتیں ایسی ہیں جہاں اس معاملے میں نرمی برتی گئی ہے، مثلاً: ۱۔ جان یا مال کو خطرہ لاحق ہو۔ ۲۔ حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ ۳۔ سلطان یا امیر کے پاس معاملے کی صحیح صورت حال واضح کرنے کے لیے، وغیرہ۔ اس طرح کی صورتوں میں اگر دوسروں کی حق تلفی نہ ہو رہی ہو تو رشوت دی جا سکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ جس وقت حبشہ میں تھے تو آپؓ کو جان چھڑانے کے لیے درہم و دینار بطور رشوت دینے پڑے، تب آپؓ کو رہائی ملی۔ اس موقعے پر آپؓ نے فرمایا تھا: اِن الإثم على القابض دون الدافع ۔ ''(ایسی حالت میں) گناہ رشوت لینے والے پر ہے، دینے والے پر نہیں''۔ (عباد يحبهم الغفار من الكتاب والسنة)

تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ اگر جان یا مال کا خطرہ لاحق ہو تو رشوت دینے میں

کوئی حرج نہیں۔(تحفۃ الأحوذی)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:''جس طرح رشوت لینا حرام ہے اسی طرح رشوت دینا بھی حرام ہے۔اس سلسلے میں فقہا کے یہاں ایک متفق علیہ اصول یہ ہے:ماحرّم أخذہ حرّم عطاءہ۔''جس چیز کا لینا جائز نہیں اس کا دینا بھی جائز نہیں''۔البتہ چوں کہ رشوت لینا مجبوری نہیں بن سکتی اور رشوت دینا بعض دفعہ مجبوری بن جاتی ہے،اس لیے فقہا نے ضرورت اور مجبوری کے مواقع پر رشوت دینے کی اجازت دی ہے۔....رشوت دینے کی گنجائش کب ہوگی؟اس سلسلے میں فقہا نے یہ اصول متعین کیے ہیں کہ اگر رشوت نہ دے تو ناحق طریقے پر اس کو جانی یا مالی نقصان کا اندیشہ ہو،یا یہ اندیشہ ہو کہ جس ذمہ دار کے پاس اس کی درخواست زیرِ غور ہے وہ اس کے ساتھ انصاف سے کام نہ لے گا اور اس کے اور دوسرے امیدواروں کے درمیان مساویانہ سلوک روا نہیں رکھے گا،تو اس طرح کی صورتوں میں رشوت دینا جائز ہے''۔(جدید فقہی مسائل:۱/۳۰۰)

رشوت کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے یا تو باطل کی اعانت ہوتی ہے یا دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔اگر کوئی شخص حق داروں کو ان کا حق دلانے میں ان کی مدد کرتا ہے اور اپنا وقت صرف کرتا ہے اور اس پر کچھ معاوضہ وصول کرتا ہے تو یہ اس کے لیے جائز ہے،کیوں کہ یہ نہ تو باطل کی اعانت ہے اور نہ کسی پر ظلم ہے،جب کہ یہ کام اس کے حقوق اور فرائض میں داخل نہ ہوں۔البتہ اس طرح کے کاموں میں اللہ کے رسول ﷺ نے اجرت نہ لینے پر ابھارا ہے۔حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ضرورت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے: اشفعوا تؤجروا ولیقض اللہ علی لسان نبیہ ماأحب۔''(اپنے ضرورت مند بھائی کے حق میں) سفارش کرو،اجر وثواب کے مستحق ہوگے۔اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہی فیصلہ صادر کرتا ہے جو اسے پسند ہو''۔(مسلم:باب استحباب الشفاعۃ فیمالیس بحرام)

رشوت اور بدعنوانی کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو اس کے معاشرتی،دنیوی اور اخروی نقصانات سے آگاہ کیا جائے اور ساتھ ہی قانون کی حکم رانی کو یقینی بنایا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بندوں کے حقوق ادا کرنے اور ہر طرح کے ظلم وزیادتی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بحیثیت باپ

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک آفاق گیراور عالم گیر شخصیت کا نام ہے۔آپؑ کا شمار اولوالعزم پیغمبروں میں ہوتا ہے۔قرآن مجید میں مختلف حیثیتوں سے آپؑ کا ذکر ملتا ہے۔آپ کا ایک تعارف باپ کی حیثیت سے بھی کرایا گیا ہے۔سورۂ حج میں ارشاد ہے:ملة ابیکم ابراهیم (الحج:78)''اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم ہوجاؤ''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ابراہیمؑ کو باپ کے لقب سے یاد فرمایا۔جب لڑکے کی ولادت ہوئی تو آپؐ نے اس کا نام ابراہیمؑ رکھا اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: سَمَّیْتُهُ بِاسْمِ أَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ۔ (ابوداؤد:باب فی البکاء علی المیت)''میں نے اپنے باپ کے نام پر اس کا نام''ابراہیم''رکھا ہے''۔

اگر بحیثیتِ باپ ابراہیمؑ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو آپؑ کی زندگی میں بہت سے روشن پہلو اور قابلِ تقلید نمونے ملتے ہیں۔جن میں سے چند یہ ہیں:

(ا) نیک اولاد کی دعا: حضرت ابراہیمؑ بڑھاپے کی عمر میں اولاد کے لیے دعا کرتے ہیں۔اس عمر میں ہر انسان کی تمنا ہوتی ہے کہ اسے لڑکا ہو، جو اس کے لیے بڑھاپے کا سہارا بنے۔مگر ابراہیمؑ نے بیٹا یا بیٹی کے لیے دعا نہیں کی بلکہ نیک اولاد کے لیے دعا کی۔قرآن نے آپ کی دعا ان الفاظ میں نقل کی ہے: رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ. (الصافات:۱۰۰)''اے میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا فرما''۔

نیک اولاد اللہ کی بڑی نعمت ہے۔اگر وہ بدکار اور نافرمان ہو تو انسان کا چین اور سکون غارت ہوجاتا ہے اور زندگی اس کے لیے وبال بن جاتی ہے۔اس کے برعکس نیک اور فرماں بردار اولاد والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک، ان کی نیکیوں میں اضافے کا سبب اور انھیں جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنتی ہے۔انسان کے انتقال کے بعد عمل کے ثواب وعقاب کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے مگر چند اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب انتقال کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ان میں سے ایک نیک اولاد بھی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّامِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ ۔ (مسلم: باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاته) ''جب انسان کی وفات ہوتی ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین باتوں کے۔ صدقہ جاریہ۔ ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی رہے''۔

۲۔ شکر گزاری: حضرت ابراہیمؑ اولاد کی نعمت حاصل ہونے پر ان الفاظ میں اللہ کا شکر بجالاتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ إِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّیْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاء ۔ (ابراہیم: 39) ''اللہ کا شکر ہے، جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے''۔

۳۔ اولاد کی تربیت: اولاد جہاں اللہ کی عظیم نعمت ہے، وہیں امانت بھی ہے۔ اولاد کی تعلیم اور ان کی صحیح تربیت والدین کی اولین ذمہ داری ہے، جس میں اکثر لوگ کوتاہی کرتے ہیں۔ اور جب ایک لمبی مدت اور طویل آرزوں اور دعاؤں کے بعد اولاد عطا ہوتی ہے تو انسان محبت سے مغلوب ہو کر اولاد کی تربیت میں کوتاہی کرنے لگتا ہے اور بسا اوقات اپنی اولاد کی خاطر اپنے فرائض اور ذمے داریاں بھی بھول جاتا ہے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لخت جگر کی محبت کو اللہ کی محبت پر کبھی غالب آنے نہیں دیا۔ ان کی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔ آپؑ نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے اللہ کی عظمت و کبریائی اور اس کی فرماں برداری کا درس دیا۔ زندگی بھر الٰہ واحد کی بندگی اور اس کی اطاعت کرتے رہنے کی تاکید فرماتے رہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُم مُّسْلِمُوْنَ. (البقرہ: ۱۳۱) ''ابراہیم نے اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب اپنی اولاد کو کر گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میرے بچو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا''۔

''وصیٰ'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے دین پر استقامت کی یہ نصیحت بار بار

کی، کیوں کہ جب کوئی نصیحت تاکید کے ساتھ بار بار کی جاتی ہے تو اسے ''توصیہ'' کہا جاتا ہے۔(زاد المیسر :1/149)

اللہ کی عبادت اور فرماں برداری کا جو درس باپ نے دیا تھا، اطاعت گزار بیٹے نے زندگی کے ہر مرحلے میں اس کو یاد رکھا۔ جب بیٹا سنِ شعور کو پہنچا تو باپ نے اپنے خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: يَا بُنَيَّ إِنِّيْ أَرَى فِيْ الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى (الصافات:102) ''پیارے بیٹے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے''۔

تو فرماں بردار بیٹا اللہ کی محبت کو باپ کی محبت پر ترجیح دیتے ہوئے کہتا ہے: يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ إِن شَاء اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ ۔(الصافات:102) ''ابا جان! جو حکم ہوا ہے، اسے بجالایئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے''۔

۴۔اچھے ماحول کا انتخاب: بچے کی تربیت پر ماحول کے اثرات گہرے ہوتے ہیں۔ ماحول اچھا ہو تو بچہ نیک اور صالح بنتا ہے اور اگر ماحول خراب ہو تو بچہ بدکار اور بداخلاق بنتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ابتدا ہی سے اپنے بچے کے لیے اچھے ماحول کا انتخاب کیا۔ اپنے بیٹے کو بسانے کے لیے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں دنیوی اسباب کی فراوانی نہیں تھی۔ دنیاوی اعتبار سے اگر چہ وہ بے آب وگیاہ وادی تھی مگر وہ دنیا کی سب سے زیادہ مقدس اور پاکیزہ جگہ تھی۔ حضرت ابراہیمؑ اس مقام کا ذکر کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں: رَبَّنَا إِنِّيْ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۔(ابراہیم:37) ''اے ہمارے رب! میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے''۔

اس مقدس سرزمین اور پاکیزہ ماحول میں بسانے کا سبب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رَبَّنَا لِيُقِيْمُواْ الصَّلاَةَ (ابراہیم:37) ''اے پرودرگار! میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں''۔

اولاد کی شادی کے بعد عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب والدین کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ بہت سارے والدین شادی کے بعد اپنی اولاد کو غلطی کرتے ہوئے دیکھتے بھی ہیں تو اصلاح کی فکر نہیں کرتے

مگرابراہیمؑ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس طرح شادی سے پہلے اپنے بچوں کی تربیت کرتے رہے ویسے ہی شادی کے بعد بھی ان کی اصلاح کی طرف انھوں نے توجہ دی۔صحیح بخاری کے یہ الفاظ ہیں:فَجَاءَ اِبْرَاهِيْمُ بَعْدَ مَاتَزَوَّجَ اِسْمَاعِيْلُ يُطَالِعُ تَرِكَتَهُ ۔(بخاری:ایضا)''اسماعیلؑ کی شادی کے بعد ابراہیمؑ احوال دریافت کرنے کے لیے ان کے پاس آئے''۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچے کی خبر گیری کے لیے مہینے میں ایک مرتبہ ملکِ شام سے مکہ مکرمہ کا سفر کرتے تھے۔حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:فَفِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ جَهْمٍ : كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَزُوْرُ هَاجِرَ كُلَّ شَهْرٍ عَلَى الْبُرَاقِ يَغْدُوْ غُدْوَةً فَيَأْتِيْ مَكَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَقِيْلُ بِمَنْزِلِهِ بِالشَّامِ ۔(فتح الباری:6/404)''حضرت ابراہیمؑ ہر ماہ براق پر سوار ہو کر حضرت ہاجرہ کے پاس دن کے پہلے پہر تشریف لاتے اور پھر واپس پلٹنے پر قیلولہ سرزمین شام میں اپنے گھر میں فرماتے''۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک طویل روایت ہے،وہ فرماتے ہیں: حضرت اسماعیلؑ کی شادی کے بعد حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے اور ان کے اہل خانہ کی خبر گیری کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو انھوں نے اسماعیل کو گھر میں موجود نہیں پایا۔بہو سے گھر کے حالات دریافت کیے تو اس نے شکوے شکایات کا دفتر کھول دیا۔جب واپس ہونے لگے تو فرمایا: جب تمھارے شوہر آئیں تو انھیں میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل لے۔جب اسماعیلؑ لوٹے تو انھیں محسوس ہوا کہ کوئی مہمان گھر آیا تھا۔بیوی سے دریافت کرنے پر اس نے ساری تفصیل بتائی اور اپنے خُسر کا پیغام بھی پہنچا دیا۔ساری گفتگو سننے کے بعد اسماعیلؑ نے فرمایا کہ وہ میرے باپ تھے۔انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں طلاق دے دوں۔(بخاری: کتاب الانبیاء،باب یزفون:النسلان فی المشی)اسماعیلؑ نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اس نافرمان بیوی کو طلاق دے دی۔

بعض والدین دینی جذبے سے سرشار ہو کر اپنی اولاد کی دینی تربیت پر توجہ تو دیتے ہیں،مگر ان کی معاش اور دنیوی ضرورتوں سے یکسر غافل ہو جاتے ہیں،کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں۔حضرت ابراہیمؑ کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اولاد کی اصلاح اور تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی دنیوی ضرورتوں کی طرف توجہ دینا بھی والدین کی ذمہ داری ہے۔حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنی بیوی اور دودھ پیتے بچے کو کعبۃ اللہ کے پاس بسانے کا فیصلہ کیا تو اپنی استطاعت کے مطابق ان کی

ضروریاتِ زندگی کا بھی انتظام کیا۔صحیح بخاری کی ایک طویل روایت ہے، جب انھوں نے کعبۃ اللہ کے پاس انھیں بسایا تو کھجوروں سے بھرا ہوا ایک تھیلا اور پانی کے ایک مشکیزے کا بھی انتظام کیا''۔
(بخاری: کتاب الانبیاء، باب یزفون:النسلان فی المشی)

اس کے برعکس بعض والدین یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری اولاد کی روزی روٹی کے ہم ہی مالک ہیں۔ اگر ہم ان کے لیے روزی روٹی کا انتظام نہیں کریں گے تو وہ ہلاک ہوجائیں گے۔اس وجہ سے وہ اپنے بچوں کی دنیا بنانے اوران کے مستقبل کو سنوارنے میں خود اپنی آخرت برباد کرلیتے ہیں۔ابراہیمؑ کی زندگی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ روزی روٹی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔البتہ اس نے والدین کو اپنی اولاد کے لیے ذریعہ بنایا ہے،اس لیے والدین کو اپنی استطاعت کے مطابق اپنی اولاد کی زندگی سنوارنے کی کوشش کرنی چاہیے اوراس کے ساتھ ساتھ دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے،مگر روزی روٹی کے پیچھے پڑ کر اپنی آخرت نہیں برباد کرلینی چاہیے۔چنانچہ ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو جب مکہ میں بسایا اوران کے لیے ضروریاتِ زندگی فراہم کردی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار تو ہی ان کا رازق ہے،تو انھیں رزق عطا فرما،تاکہ یہ تیرے شکرگزار بندے بن کر زندگی گزارسکیں۔حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا قرآن نے ان الفاظ میں بیان کی ہے: وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ. (ابرہیم:37)''اور انھیں پھلوں کا رزق عطا فرما،تاکہ یہ تیرے شکرگزار بنیں''۔

ابراہیمؑ کی اس دعا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی نسل کے لیے ان تمام اقسام کے پھلوں کے لیے دعا کی جو اس وقت لوگوں کے درمیان معروف تھے۔علامہ ابن عاشورؒ فرماتے ہیں:
الثمرات میں ''ال'' استغراقِ عرفی کے لیے ہے۔یعنی پھلوں کی وہ تمام اقسام جن سے لوگ آشنا ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لیے اسباب رزق کی دعا پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی بھی دعا کی کہ انھیں جو بھی دے،اس میں برکت عطا فرما۔صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب دوسری مرتبہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ سے ملاقات کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس وقت بھی بیٹے سے ملاقات نہیں ہوسکی۔صابروشاکر بہو سے ملاقات ہوی۔خیرخیریت کے بعد گھر کے حالات دریافت کیے تو بہو نے سارے حالات تفصیل سے بتادیے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔حضرت ابراہیمؑ نے رخصت ہونے سے پہلے انھیں دعا دی: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي

طَعَامِهِمْ وَشَرَابِهِمْ ۔''اے اللہ! تو ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں برکت عطا فرما''۔(بخاری: کتاب الانبیاء،باب یزفون:النسلان فی المشی)

٦۔نیک کاموں میں اولاد کو شریک کرنا: اکثر دیکھا جاتا ہے کہ باپ بڑا نیک ہوتا ہے۔وہ اپنی اولاد کی دنیوی ترقی کے لیے کوشاں بھی رہتا ہے مگر اولاد کو نیک بنانے کی فکر بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ابراہیمؑ کی زندگی اس اعتبار سے ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے کہ آپؑ ہر نیک کام میں اپنی اولاد کو شریک کرتے تھے۔جب اللہ تعالیٰ نے مکہ میں خانۂ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا تو اس نیک عمل میں انھوں نے اپنے بیٹے اسماعیل کو بھی شریک کیا،جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے: وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرہ:128)''اور ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ اے ہمارے رب! تو ہم سے (اس نیکی کو) قبول فرما۔تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے''۔

جب ابراہیمؑ ساری آزمائشوں میں کامیاب ہوے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً (البقرہ:124)''میں نے تمھیں سارے جہاں کے انسانوں کا امام بنادیا''۔بچوں کا ہمدرد باپ اس عظیم انعام پر اپنی خوشی کا اظہار کرنے سے پہلے ہی ملتجی ہوتا ہے کہ پروردگارا! میری ذریت کو بھی یہ اعلیٰ مقام عطا فرما۔

٧۔اولاد کے حق میں دعائیں: ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کی دنیا اور آخرت سنوارنے کے لیے ساری تدبیریں کیں۔اس کے باوجود وہ جانتے تھے کہ ان کوششوں کو ثمر آور بنانے والی چیز دعا ہے۔چناں چہ انھوں نے دعاؤں کا اہتمام کیا۔قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ کی کئی دعاؤں کو نقل کیا ہے،جن میں سے چند یہ ہیں:

١۔شرک سے بچنے اور توحید پر قائم رہنے کے لیے دعا: وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ. (ابراہیم:35)''اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا''۔

٢۔نماز قائم کرتے رہنے کے لیے دعا: رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي. (ابراہیم:40)''اے میرے رب! مجھے نماز کا پابند بنا اور میری ذریت میں بھی (نماز کی پابندی کرنے والے بنا)۔''

۳۔اللہ کا فرماں بردار بن کر زندگی گزارنے کے لیے دعا: سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے : رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ .(البقرہ:128)''اے ہمارے رب! ہمیں تیرا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک فرماں بردار امت کو برپا کردے، ہمیں اپنی عبادتیں سکھلا اور ہماری توبہ قبول فرما، تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔

۴۔اولاد کی اصلاح کے لیے ایک نبی کی بعثت کے لیے دعا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (البقرہ:129)''اے ہمارے رب! ان کے لیے انھیں میں سے ایک رسول بھیج، جو ان پر تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے''۔

۵۔ان کے شہر کو پُر امن بنانے کے لیے دعا: سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے: رَبِّ اجْعَلْ هَـٰذَا الْبَلَدَ آمِناً . (ابراہیم:35)''اے میرے رب! تو اس شہر کو پُر امن بنا دے''۔

احادیث میں بھی آپ کی بعض دعائیں نقل ہوی ہیں، جن میں سے ایک مشہور دعا یہ ہے:

نظر بد اور ہر شر سے محفوظ رہنے کے لیے دعا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَيَقُولُ :اِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا اِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ :أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ ۔ (بخاری: کتاب الانبیاء)''اللہ کے رسول ﷺ حسن اور حسین پر دم کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تمھارے باپ ابراہیم بھی اسماعیل اور اسحاق پر یہ دعا پڑھ کر دم کیا کرتے تھے: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔''میں اللہ کے مکمل کلمات کے ذریعے اس کی حفاظت میں آتا ہوں ہر شیطان سے، زہریلے جانوروں سے اور ہر بری نظر سے''۔

غرض حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں اس طرح کے بہت سے روشن پہلو ہیں، جن کے پیشِ نظر قرآن مجید نے ان کی سیرت کو ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ قرار دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ان کے اسوے کو اپنائیں اور رب کی خوش نودی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین